پنج وقتہ نماز

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ یَغْتَسِلُ فِیْهِ كُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا هَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالُوْا لَا یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ یَمْحُوا اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَایَا۔

(متفق علیہ)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو۔ جس میں روزانہ پانچ دفعہ غسل کرے کیا اس کے بدن پر میل رہ سکے گی۔ صحابہ نے عرض کیا، اس کے بدن پر میل نہیں رہ سکتی۔ فرمایا: پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔“

حاصل مطالعہ

صلائے عام............

ہم میں بہت سوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ سیرت پر جو کچھ کام کیا جا سکتا تھا وہ متقدمین نے کر دیا ہےاور سیرت مبارکہ کے جملہ پہلوؤں پر جو تحقیق ماضی کے سیرت نگاروں نے کر دی وہ حرفِ آخر ہے۔اب سیرت پر نہ کسی نئ تحریر کی ضرورت ہے نہ کسی مزید تحقیق کی گنجائش ہے۔ بلکہ بعض حضرات تو یہ سمجھتے ہیں یہ اب سیرت کے جلسوں، مذاکروں اور سیرت کانفرنسوں میں سوائے جذباتی گفتگوؤں اور واعظانہ تقریروں کے کوئی نئ علمی بات کہی ہی نہیں جا سکتی۔ مجھے انتہائی ادب کے ساتھ اس رائے سے اختلاف ہے۔آپ اساتذہ کرام مجھ سے بہت بہتر اس بات کو جانتے ہیں کہ سیرت النبی ﷺ وہ بحر ناپیدا کنار ہے جس کے بارے میں ایک محقق طالب علم کی زبان سے بے اختیار نکلتا ہے:

یہ تو ایک ایسا مبارک اور بے پایاں علم اور ایک ایسا لامتناہی سلسلہ تحقیق ہے جس کے نئے نئے گوشے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے آتے چلے جا رہے ہیں، اسلام کی تاریخ کی گزشتہ چودہ صدیاں اس بات کی گواہ ہیں کہ ہر آنے والی صدی نے سیرت پر تحقیق کے نئے باب رقم کیے ہیں۔محققین سیرت اور مصنّفین نے ایسے ایسے گوشے ہمارے سامنے پیش کیے جن کے بارے میں پہلے سے کوئی اندازہ نہ تھا۔ بلکہ یہ خیال ہوتا تھا شاید کہ سیرت پر جتنا کام ہونا تھا وہ کیا جا چکا ہے۔لیکن جب ایک نیا مجدد سیرت سامنے آتا ہےاور سیرت کے نئے نئے گوشے سامنے لاتا ہےتو اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ابھی تو سیرت پر کام کا آغاز ہی ہوا ہے اور ابھی تو اصل کام کیا جانا باقی ہے۔

فہرست

اداریہ

پتلی تماشا

حافظ احمد شاکر

دنیا میں شاید آج بھی کہیں اس کا وجود تو یقیناً ہوگا جو پتلی تماشا ہم بچپن میں دیکھا کرتے تھے کہ نیم روشن ماحول میں چھوٹی چھوٹی پتلیاں بہ ظاہر خود بخود لیکن...... درحقیقت...... پس پردہ بیٹھے کمنٹری کرتے ہوئے مداری دھاگہ ہلا کر پتلیوں کو نچاتے تھے جس کو اُس عمر کے بچے دیکھتے جو پس پردہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وطن عزیز کی موجودہ صورت بالکل اسی پتلی تماشے کی طرح ہے جس کے عوام...... کی اکثریت نیک نیتی کی وجہ سے...... ابھی تک وہ بچے ہیں جو تار ہلانے والوں تک پہنچ نہیں سکتے بعض بھلے اور سادہ لوگ یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اب ذرائع ابلاغ عام ہو گئے ہیں اور ہم تک ہر خبر بروقت پہنچ جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے ذہن اس بات کا ادراک نہیں کر پاتے کہ پس پردہ ہلنے والی ڈوریاں اب بہت لمبی ہو چکی ہیں اور ڈروی ہلانے والوں نے سلیمانی ٹوپی پہن رکھی ہے کہ وہ سب تو عوام کو دیکھ رہے ہیں اور عوام کو وہ نظر نہیں آ رہے۔

تو حضرات بات یہ ہے کہ وطن عزیز میں اب پتلی تماشا شروع ہو چکا ہے کس پتلی کی ڈوری کس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ڈوریاں کہاں کہاں سے ہل رہی ہیں عوام بے چارے اس سے بے خبر ہیں۔ تمام سیاسی جماعتوں کے تمام لیڈر خود ان پتلیوں پر ناچ رہے ہیں اور عوام کو انہوں نے نعرے دے رکھے ہیں اور عوام بے چارے نعرے لگا کر خوش ہوتے اور خوش رہتے ہیں۔

ریمنڈ ڈیوس پاکستان...... خصوصاً مرکزی حکومت...... کے لیے ایک ایسی چھپکلی ہے کہ نہ نگلتے بنے نہ اگلتے بنے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کیا ہے؟ وہ وہی جانتا ہے پاکستانی حکومت بلکہ حکمران کیا چاہتے ہیں ان کے بیانات اور رویوں سے جو مترشح ہو رہا ہے اس کو بیان کرنا شاید اتنا ہی مشکل ہو جس قدر سیب، آم، کیلے اور شہد کی مٹھاس کا فرق بیان کرنا مشکل ہوتا ہے۔ تاہم حکم ران جو چاہتے ہیں اس کا اظہار تو ان کے بیانات اور رویوں سے خوب ظاہر ہو رہا ہے۔ لیکن ہوگا کیا؟ اس کے بارے میں علیم وخبیر اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم اس موقعہ پر صوبائی اور لسانی تعصّبات کا اظہار یا ابھار جس طرح کسی بھی ملک کے لیے زہر قاتل ہوتا ہے، وطن عزیز کے لیے بھی اسی طرح باعث نقصان ہے خصوصاً ان حالات میں تو کمند خیال اس سے خطرہ ہی محسوس کر رہی ہے کہ یہ کہیں اندر کے غیر اہم اختلافات ابھارنے سے کسی اہم ایشو کو دبانے کی کوشش ہی ہے۔ ایسے وقت میں مرکزی حکومت کی ''دوست حزب مخالف'' کو وطن عزیز کے وسیع تر مفاد کی انگڑائی یک دم ایسی آئی کہ اس نے جمہوریت کی منڈیر پر بیٹھے بکھرے دانوں پر نظر جمائے پرندوں کو قابو کرنے کی غیر معقول خواہش کرتے ہوئے اپنی پنجاب کی فرینڈلی اپوزیشن کو فارغ کر کے سب سیاسی جماعتوں کو اپنی اپنی ڈال دی ہے۔ کبھی ''بھائی لوگوں'' کا ایک کارندہ تڑی لگاتا ہے تو دوسرے خیر خواہ اس پر مختلف تعبیر وتاویل کی پھوار ڈالنے کی سعی شروع کر دیتے ہیں۔ ادھر عالمی طاغوت بلوچستان میں ایسی غیر معمولی بدامنی پھیلانے اور برپا کرنے میں مصروف ہے کہ عدالت عظمیٰ کو بھی بلوچستان کا غیر معمولی احساس کرتے ہوئے حکومت کو توجہ دلانی پڑی کہ وہ بلوچستان کی طرف توجہ دے کیوں کہ بلوچستان کے معدنی ذخائر پر للچایا طاغوت کبھی بلوچی سرداروں کو لالی پاپ دے کر بہلانے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی بلوچ عوام کے مونہہ میں زیرہ دے کر ان کو بلوچستان کے زیر زمین ذخائر کے ثمرات سے محروم کرنے کی سازشوں میں مصروف ہے۔

مرکزی حکومت نے پچھلے ماہ جب تیل کے نرخ بڑھانے کا اعلان کیا تو دیگر سیاسی جماعتوں کے شدید احتجاج کے بعد حکومت نے بڑھائے ہوئے نرخ واپس لے لیے۔ اب عرب ممالک میں تبدیلی، انارکی، بغاوت یا انقلاب کی جو لہر اٹھی ہے اس کی آڑ لے کر اب پھر تیل کی مہنگائی کے اشارے

دیئے جارہے ہیں جب کہ تیل کے موجودہ نرخ جو ۳۵/ ۴۰/ روپے سے بڑھ کر ۷۰/ ۸۰/ کے قریب پہنچ چکے ہیں اس وقت بڑھائے گئے تھے جب عالمی منڈی میں تیل کے نرخ ۱۳۰، ۱۳۵ ڈالر تک پہنچ گئے تھے۔ عالمی منڈی کے نرخ جب نیچے آئے تو اس وقت حکومت یا تیل کمپنیوں نے عوام کو مفادات تو کچھ نہ دیئے؟ اب عرب ممالک کے بحران کی وجہ سے تیل کے نرخ جب ۱۲۰ ڈالر تک پہنچے ہیں تو تیل کمپنیوں اور حکومت نے نرخ بڑھانے کے لیے ابھی سے چلانا شروع کر دیا ہے جب کہ تیل کے موجودہ نرخوں میں بھی حکومت کو معقول نفع مل رہا ہے۔ اس لیے حکومت کو ہتھ ہولا ہی رکھنا چاہیے۔ ایک عرصہ سے حکومت کا طریقہ واردات یہ بن چکا ہے کہ سردیوں کی آمد پر گیس کے نرخ بڑھاتی ہے اور گرمیوں کی آمد پر بجلی کے نرخوں میں اضافہ کر دیتی ہے۔ جون جولائی میں بجلی کے بلوں میں غیر معمولی اور بلاخیز اضافہ، جنوری میں سوئی گیس کے بلوں میں اچانک خوفناک بڑھوتی کر دیتی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ دراصل عوام کو زچ کرنے ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج کرنے کی کوششیں ہیں جو اس لیے کی جاتی ہیں کہ عوام اپنے ہی ادھیڑ بن میں لگے رہیں اور سیاسی جماعتیں اپنے آقاؤں کی ہلتی ہوئی ڈوری پر پتلی تماشا میں رقص کرتی رہیں۔

ماشاء اللہ مرکزی حکومت کو یہ سنہری اصول بھی اب یاد آ گیا ہے کہ معدنی شے جہاں سے نکلے اس علاقے کا حق اس پر زیادہ ہے۔ لہٰذا پنجاب میں گیس اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ کا اعلان کر دیا گیا اور فیصل آباد سے جو کبھی پاکستان کا مانچسٹر کہلاتا تھا وہاں ہفتے میں پانچ دن لوڈ شیڈنگ کا اعلان ہو چکا ہے اس لیے کہ نہ وہاں سے گیس نکلتی ہے اور نہ ہی وہاں بجلی پیدا ہوتی ہے۔ بجلی کا بل کون سا صوبہ کتنا کتنا ادا کرتا ہے یہ بھی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ یہ سب انارکیاں، افراتفریاں صرف اس لیے برپا کی جارہی ہیں تاکہ مرکزی حکومت کو چھپکلی اگلنے میں آسانی رہے۔

مرکزی حکومت اور پاکستانی عوام اب تاریخ عالم اور تاریخ اسلام کے نازک مقام پر کھڑے ہیں۔ ممتاز قادری پاکستانی تھا اس نے قانون ہاتھ میں لے کر اپنے وطن کے گورنر کو قتل کیا تھا اس کے اس اقدام یعنی قانون ہاتھ میں لینے کی نہ کسی نے تائید کی اور نہ کسی نے اس کے اقدام کو سراہا۔ اب اس کا مقدمہ عدالت میں ہے عدالت جو فیصلہ کرے گی عمل اسی پر ہو گا لیکن ان دنوں امریکا مجرم کو جرم کی سزا دلانے کے حق میں کس قدر بے تاب و بے قرار تھا؟ اخبارات اٹھا کر دیکھیں لیکن اب جب ایک امریکی نے پاکستان کے دو شہریوں کو دن دیہاڑے ہوش و حواس کے ساتھ قتل کیا اور اس کے حواری کی گاڑی نے ایک تیسرے شہری کو کچل دیا اور جان ہانے والے ایک کی بیوہ نے انصاف سے مایوس ہو کر خودکشی کر لی تو گویا کہ چار بے گناہ شہریوں کی موت کا سبب وہی امریکی بنا۔ ممتاز قادری کی حرکت کے وقت تو امریکا کا شوقِ انصاف اسے چین نہیں لینے دیتا تھا اب اس کا نعرۂ انصاف کہاں گیا؟ جب کہ اخبارات کے مطابق تفتیش میں مجرم ڈکلیئر ہونے کے باوجود جیل میں اس سے سلوک قیدی کی بجائے مہمانوں والا ہو رہا ہے۔ امریکا ڈاکٹر عافیہ اور دیگر مسلمان قیدیوں سے اپنائے جانے والے اپنے رویے پر بھی سوچیں کہ کیا وہ بھی کسی غیر ملکی قیدی سے مہمانوں والا سلوک کرتا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کے لیے سوچنے کا یہ بھی مقام ہے کہ وہ اپنے کسی پاکستانی شہری کے غیر ملکی قیدی بننے پر کبھی اس طرح بے چین ہوئے اور تڑپے ہیں جس طرح امریکی وزیر خارجہ، امریکی سفیر، پاکستان میں امریکا کے مختلف دفاتر کا عملہ حتیٰ کہ امریکی صدر تک نے اس کی رہائی کے لیے رابطے کیے۔

شاعر کی روح سے معذرت کے ساتھ ''عوام کے ہمدرد'' حکمرانوں کی خدمت میں عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ

ؔ آپ ہی اپنی ''وفاؤں'' پر ذرا غور کریں　　ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ہم مسلم لیگ (ن) کے خیر خواہ ہونے یا شریف برادران سے ان کے دینی پس منظر کے باعث محبت کرنے کے ناطے سے میاں صاحبان سے درخواست کرتے ہیں کہ جب تک ریمنڈ ڈیوس کا کوئی کٹا کٹا نکل نہیں جاتا اس وقت تک مرکز میں وہ خود بھی فرینڈلی اپوزیشن بنے رہیں اور پنجاب اسمبلی میں پی۔ پی کو بھی برداشت کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ اقتدار کی اس افراتفری میں امریکہ اپنی تاریخ میں پاکستان پر یوں تبصرہ نہ کر دے

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں　　جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

درس قرآن

قسط نمبر ۲

تفسیر سورۃ الفاطر

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

الحمد للہ کی فضیلت:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف اور حمد وثنا کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث مبارکہ ہیں۔ ہم یہاں چند احادیث ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۱: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الطهور شطر الايمان، والحمد لله تملأ الميزان، وسبحان الله والحمد لله تملآن أو تملأ ما بين السموات والأرض.)) الحديث

(مسلم، رقم ۲۲۳)

''طہارت و پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے، اور ''الحمد للہ'' میزان کا پلڑا بھر دیتا ہے، سبحان اللہ اور الحمد للہ، دونوں (یعنی آسمان اور زمین) بھر دیتے ہیں یا یہ فرمایا: بھر دیتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین کے مابین ہے۔''

تمام اہل سنت کا اتفاق ہے کہ قیامت کے روز انسانوں کے اعمال کا ترازو میں وزن کیا جائے گا اگر نیکی کا پلڑا بھاری ہوگیا تو انسان جنت میں جائے گا (اللهم اجعلنا منهم) اور اگر گناہوں کا پلڑا بھاری ہوگیا تو وہ جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ (اعاذنا الله منهم) قرآنِ مجید اور متعدد احادیث میں تو اس میزان کا ذکر ہے۔ اس حدیث سے جہاں ''میزان'' کا ثبوت ملتا ہے وہاں الحمد للہ اور سبحان اللہ کہنے کے اجر وثواب کا بھی علم ہوتا ہے۔

۲: حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اوّل ما يدعى الى الجنة الذين يحمدون الله عزوجل في السراء والضراء.))

''سب سے پہلے جنہیں جنت کی طرف بلایا جائے گا وہ ہوں گے جو خوشی اور غمی ہر حال میں الحمد للہ کہیں گے۔''

یہ روایت مسند بزار، طبرانی میں مختلف اسانید سے ہے۔ علامہ منذری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ان میں ایک سند حسن ہے اور حاکم نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (الترغيب، ج: ۲، ص: ۴۲۷)

مگر شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ الفاظ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی کتاب الزہد میں حضرت سعید بن جبیر سے موقوفاً صحیح سند سے منقول ہیں۔ (الضعيفة، رقم ۶۳۳)

حضرت عمران نے ایک روز فرمایا میں آج ایک حدیث تم کو بتلانا چاہتا ہوں، شاید تمہیں اس سے فائدہ پہنچے، "إعلم أن خير عباد الله يوم القيامة الحمادون" جان لو کہ قیامت کے دن سب سے بہتر وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی باکثرت حمد کہیں گے۔

(مسند احمد، ج: ۴، ص: ۴۳۴)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی الصحیح کے راوی ہیں اور یہ موقوف مرفوع کی طرح ہے۔ اس سے بھی پہلی احادیث کی تائید ہوتی ہے۔ جنت کا دروازہ بھی تو احمد الحامدین کھٹکھٹائیں گے۔ آپ کے ہمراہ سب سے پہلے آپ کی امت ہی جنت میں جائے گی جن کا لقب ''حمادون'' ہے۔

۳: حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مسلمان بندے کا نونہال فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے کے بیٹے کا روح اور ایک

روایت میں ہے میرے بندے کے دل کا پھل، تم لے آئے ہو، تو وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں۔ اللہ فرماتے ہیں پھر میرے بندے نے کیا کہا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ آپ کی حمد بیان کرتا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ابـنـوا لـعبـدی بیتـاً فـی الـجنة وسموه بیت الحمد. (ترمذی: ۱۰۲۱۔ الصحیحة: ۱۴۰۸)

''میرے بندے کا گھر جنت میں بنا دو اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھو۔''

مصیبت میں ''الحمد للہ'' کا یہ اجر وثواب اسی لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہوا۔ اور وہ یقین رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ عدل وحکمت پر مبنی ہے۔ اور وہی حی قیوم ہے باقی ہر ایک نے فنا ہونا ہے اس لیے حمد وثنا کا وہی سزاوار ہے۔ ہم سب کو اللہ ہی نے بنایا ہے اور ہر ایک نے اپنے وقت پر اسی کے پاس پہنچنا ہے۔ صدمہ کے موقعہ پر یوں اللہ کی حمد وثنا اور اللہ کے فیصلے پر صبر وثبات کا نتیجہ جنت میں ''بیت الحمد'' ہے۔

۴: کائنات میں ''احمد الناس'' اور ''احمد الحامدین'' نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ نے جن کلمات رفیعہ سے حمد وثنا کی ہے اس کی تفصیل احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ آپ کو کتاب عطا فرمائی گئی تو آغاز الحمد سے کیا گیا، آپ ہر خطبہ کا آغاز الحمد سے کرتے۔ حتی کہ قیامت کے روز فرمایا:

فاثنی علی ربی بثناء وتحمید یعلمنیه.

''میں اپنے رب کی حمد وثنا ایسے کلمات سے کروں گا جو خاص اسی وقت مجھے سکھلائے جائیں گے۔'' (بخاری)

اسی حمد وثنا کا نتیجہ سمجھئے کہ الہامی طور پر آپ کا نام احمد رکھا گیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی نام سے آپ کی بشارت دی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الصّف:۶ میں ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''احمد'' آپ کا ایسا مخصوص نام ہے کہ اس کے قبل کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہی تھی کہ احمد کسی کا نام نہ ہو، تاکہ کوئی شک وریب میں مبتلا نہ ہو پائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق کون ہے۔ کثرت تحمید ہی کی بدولت قیامت کے روز ''لواء الحمد'' آپ کے دست مبارک میں ہوگا۔ آدم علیہ السلام اور ان کی ساری ذریت آپ کے جھنڈے کے نیچے اور اردگرد ہوگی۔ آپ کو ''مقامِ محمود'' پر سرفراز کیا جائے گا۔ اور آپ کی امت کا لقب ''حمادون'' ہوگا جیسا کہ حضرت کعب الاحبار سابقہ کتابوں کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں اور امام دارمی نے السنن کے مقدمہ (ج:۱، ص:۱۶) میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۵: حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے ''افضل'' اور سب سے ''محبوب'' چار کلمات ہیں: ''سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر'' ان کلمات کی فضیلت متعدد احادیث میں وارد ہے۔ جس کی تفصیل تطویل کا باعث بنے گی۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ان چاروں کلمات میں سب سے افضل ''الحمد للہ'' ہے۔ کیوں کہ اس میں باقی تینوں کلمات کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ تسبیح میں تنزیہ اور نقائص سے نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے پاک ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ، میں توحید کا اثبات اور شرک کی نفی ہے۔ اور اللہ اکبر میں تمام صفات کاملہ کا اظہار اور ہر کسی کے مقابلے میں اللہ کی بڑائی کا اعتراف ہے جبکہ الحمد للہ میں جمیع محامد کا اثبات تنزیہ اور توحید کو مستلزم ہے۔ تمام صفات کمالیہ کا اقرار ہے۔ اس لیے کہا گیا کہ ''الحمد للہ'' افضل الکلام اور احب الکلام ہے۔ گویا ''الحمد للہ'' کلمہ حمد وشکر ہی نہیں کلمۂ توحید وتمجید بھی ہے۔ اور یہی پہلا اور آخری سبق ہے۔ مگر علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کفر سے ایمان میں آنے کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اسی کے بارے میں ارشاد ہے کہ لوگ جب تک لا الٰہ الا اللہ نہیں کہتے مجھے ان کے خلاف قتال کا حکم ہے، اور اس میں فیصلہ کن بات تو آپ ﷺ ہی کی ہے جو آپ نے ارشاد فرمائی کہ

((افضل ما قلت انا والنبیون من قبلی لا اله الا الله وحده لا شریك له.))

(تفسیر قرطبی، ج: ۱، ص: ۱۳۲)

''سب سے افضل وہ کلمہ ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء نے کہا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔''

مگر یہ کلمہ توحید بھی انہی چار کلمات کا حصہ اور جز ہے۔ یہ کلمہ ایمان ہے اور جنت کی چابی ہے۔ تاہم حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما کی حدیث سے من وجہ، الحمد للہ کی افضیلت ثابت ہوتی ہے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ چار کلمات اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے منتخب ہیں۔ جو ''سبحان اللہ'' کہتا ہے اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس گناہ معاف ہوتے ہیں۔ جو ''اللہ اکبر'' اور ''لا إلہ الا اللہ'' کہتا ہے اسے بھی اتنا ہی اجر وثواب ملتا ہے۔ یعنی بیس، بیس نیکیاں ملتی ہیں اور دس، دس گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور جو کوئی دل سے الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے اسے تیس نیکیاں ملتی ہیں اور تیس گناہ معاف ہوتے ہیں۔ یہ حدیث مسند امام احمد، السنن الکبریٰ للنسائی اور مستدرک حاکم میں صحیح سند سے مروی ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح الترغیب رقم: ۱۵۵۴ میں ذکر کیا ہے۔ جس سے اجر وثواب کے اعتبار سے ''الحمد للہ ربّ العالمین'' کی فضیلت دوسرے کلمات سے ظاہر ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

٦: ''الحمد للہ'' جہاں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور کلمۂ شکر ہے وہاں یہ بہترین دعا بھی ہے۔ چناں چہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے:

((افضل الذکر لا الٰه الا اللّٰه وافضل الدعاء الحمد للّٰه .)) (ترمذی: ۳۳۸۳۔ ابن ماجہ: ۳۸)

''سب سے افضل ذکر ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے اور سب سے افضل دعا ''الحمد للہ'' ہے۔''

اس لیے ''الحمد للہ'' کلمہ حمد وثنا، کلمہ شکر، کلمہ توحید اور کلمہ دعا بھی ہے بلکہ بہترین دعا ہے۔ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ''الحمد للہ'' دعا کیوں کر ہے؟ انہوں نے فرمایا تم نے عبداللہ بن جدعان کی مدح سرائی کے بارے میں امیۃ بن ابی الصلت کا کلام نہیں سنا جس میں اُمیۃ نے کہا ہے:

أ أذكر حاجتي ام قد كفاني
حباؤك ان شميتك الحياء
اذا اثنى عليك المرء يوماً
كفاه من تعرّفه الثناء
كريم لا يغيره صباح
من الخُلق الجميل ولا مساء

''کیا میں اپنی حاجت وضرورت ذکر کروں، یا تمہاری عطاء اور حیاء دار خصلت کا بیان ہی کافی ہے۔ جب کوئی آدمی تمہاری کسی روز مدح سرائی کرتا ہے، تو اس کے لیے یہ تعریف کرنا ہی اس کے سوال وطلب کے لیے کافی ہے۔ وہ ایسا سخی ہے کہ صبح وشام اس کے بہترین اخلاق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔''

امام سفیان رحمہ اللہ نے یہ شعر پڑھ کر فرمایا: لو جب سوال کی بجائے مخلوق کی ثنا وتعریف ہی اپنے ممدوح کے لیے کافی ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں کیا خیال کیا جاسکتا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف وثنا کہنے والا دو اعتبار سے دعا کرنے والا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

والمثنى على ربه بحمده وآلائه داع باعتبارين فانه طالب منه، طالب له فهو الداعي الحقيقة .

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کی تعریف وحمد کرنے والا دو اعتبار سے دعا کرنے والا ہے ایک یہ کہ وہ اللہ سے مانگتا اور سوال کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ کے لیے مانگتا ہے اور یہی حقیقتاً دعا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هو الحي لا إلٰه الا هو فادعوه مخلصين له الدين والحمد للّٰه رب العالمين .

(فقه الادعيه والاذكار، ج: ١، ص: ٢٣٥)

''وہی زندہ ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ خالص اسی کو پکارو، دین اسی کا ہے۔ سب تعریفیں تمام جہانوں کے ربّ کے لیے ہی ہیں۔''

یہ جو انہوں نے فرمایا ہے کہ ''وہ اللہ کے لیے مانگتا ہے'' تو اس کا مفہوم یہ ہے وہ صحت، اولاد، مال غرضیکہ جو بھی مانگتا ہے اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کی بندگی کی ادائیگی کے لیے مانگتا ہے۔ مال طلب کرتا ہے تو اس لیے کہ اسے اللہ کی راہ میں صرف کرے گا۔ اولاد طلب کرتا ہے اس لیے کہ اسے دین کے زیور سے آراستہ کروں گا اور دین کا خدمت گزار بناؤں گا۔ صحت طلب کرتا ہے کہ بحسن وخوبی اس کی بندگی کرسکوں اور ضرورت پڑے تو اس کے دین کے لیے جہاد کروں۔

غرض یہ کہ یہ اللہ کا سائل ہے اور اللہ کے لیے سائل ہے جو طلب کرتا ہے وہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور اس کے دین کی خدمت گزاری کے تناظر میں مانگتا ہے اور پکار اٹھتا ہے:

الٰهي انت مقصودي ورضائك مطلوبي .

حضرت مولانا عبداللہ گورداسپوری حفظہ اللہ کے لیے دعائے صحت

جماعت اہل حدیث کے بزرگ عالم دین اور معروف مبلغ واسلاف کی نشانی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب گورداسپوری حفظہ اللہ ان دنوں علیل ہیں۔ پیرانہ عمری اور نقاہت کے علاوہ سماعت بھی کمزور ہے۔ حضرت گورداسپوری حفظہ اللہ جماعت اہل حدیث کے ایک دیرینہ خادم ہیں۔ ان کی خدمات مسلک اہل حدیث کی تبلیغ واشاعت کے لیے گراں قدر ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد سے ایک ہی جگہ بورے والا کی مرکزی جامع مسجد اہل حدیث میں خطیب چلے آرہے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں دینی ومسلکی حوالے سے ہونے والی کانفرنسوں کی جان رہے ہیں۔ احباب جماعت سے ان کی مکمل صحت یابی کے لیے خلوصِ دل سے کی گئی دعاؤں کی درخواست ہے۔

اللهم اشفهٖ شفاءً كاملًا عاجلًا . (ادارہ)

ضروری اعلان

ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین وحضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:

- مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
- مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام وصفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔
- جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کردیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔
- مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے اداہ معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (مینجر)

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔لاہور)

۸۹۰ . عن عائشةَ رضي الله عنها أنّها كانت تقولُ: الشِّعْرُ منهُ حَسَنٌ ومنهُ قَبِيحٌ، خُذْ بالحَسَنِ ودَعِ القَبِيحَ، ولقدْ رويتُ من شعرِ كَعْبِ بنِ مالكٍ أشعاراً منها القصيدةُ فيها أربعون بيتاً، ودونَ ذٰلك . (صحيح)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ شعر اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی ہوتا ہے، اچھے کو لے لو اور برے کو چھوڑ دو۔ مجھے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بہت سے اشعار یاد ہیں جن میں وہ قصیدہ بھی ہے جن میں چالیس یا اس سے کچھ کم اشعار ہیں۔''

۸۹۱ . عن المقدام بن شُرَيح عن ابيه قال: قلتُ لعائشةَ رضي الله عنها: أكانَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ يتمثّلُ بشيءٍ مِنَ الشِّعرِ؟ فقالتْ: كانَ يتمثّلُ بشيءٍ من شعرِ عبدِ اللّٰهِ بنِ رَوَاحَةَ ويتمثَّلُ ويقولُ: ((ويأتِيْكَ بالأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَزَوِّدِ.)) (صحيح)

''حضرت مقدام شریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ بطورِ مثال کبھی کوئی شعر کہا کرتے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا کبھی کبھار عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ وہ تمہیں ایسی خبریں دیتا ہے جس کی تم نے کوئی تیاری نہیں کی۔''

۸۹۲ . عن أسود بن سريع قالَ: كنتُ شاعراً، فقلتُ: يا رَسُولَ اللّٰهِ، امْتَدَحْتُ ربّي! فقالَ: ((أَمَا إنَّ ربَّكَ يُحِبُّ الحَمْدَ)) وما اسْتَزَادَنِي علٰى ذٰلِكَ .

''حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں میں ایک شاعر تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد میں کچھ اشعار کہے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تیرا پروردگار حمد کو بہت پسند فرماتا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہا۔''

فائدہ: یعنی حمد کا نظم میں کہنا روا رکھا مگر اس وقت یہ نہیں فرمایا کہ ان ابیات کو پڑھ۔

باب: من استنشد الشعر
کسی سے شعر پڑھنے کا مطالبہ کرنا

۸۹۳ . عن الشَّريد قال: استنشدَنِيْ النَّبيُّ ﷺ شِعْرَ أُمَيَّةَ بنِ أبي الصَّلْتِ، وأنشدتُهُ فأخذَ النَّبيُّ ﷺ يقولُ: ((هِيْهِ، هِيْهِ!)) حتى أنشدتُهُ مائةَ قافيةٍ، فقالَ: ((إِنْ كَادَ لَيُسْلِمَ.))

''حضرت شرید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے امیہ بن ابی صلت کے اشعار پڑھنے کو فرمایا میں نے شعر پڑھنے شروع کیے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے ہاں اور پڑھو اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے سو اشعار پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ مسلمان ہونے کے قریب تھا۔''

فائدہ: حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ فرمائش کر کے شعر پڑھانا اور سننا درست ہے اگرچہ بمقدار کثیر ہو۔ امیہ کے اشعار متضمن توحید تھے اس لیے فرمایا گیا گویا مسلمان سا آدمی تھا۔

باب: من كره الغالب عليه الشعر

شعر کے غلبہ کو ناپسند سمجھنا

٨٩٤. عن ابنِ عمرَ، عن النَّبيِّ ﷺ قالَ: ((لأنْ يَمْتَلِيءَ جَوْفَ أحدِكُمْ قَيحًا خَيرٌ لَهُ مِنْ أنْ يَمْتَلِيءَ شِعْرًا.)) (صحيح البخاری)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ شعر سے پیٹ بھرے (یعنی کثرت کے ساتھ شعر یاد کرتا ہو۔)''

باب: قول الله عزوجل: ﴿والشعراء يتبعهم الغاوون﴾

شعراء کی مذمت

٨٩٥. عن عكرمةَ، عن ابنِ عبّاسٍ: ﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ﴾ إلى قولِهِ: ﴿وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ﴾ فنسخَ من ذٰلكَ واستثنىٰ فقالَ: ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ إلى قولِهِ: ﴿يَنْقَلِبُونَ﴾ (الشعراء: ٢٢٤ تا ٢٢٧)

''حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں وہ ہر میدان میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے، کو منسوخ اور مستثنیٰ کیا ہے۔ اس آیت نے کہا مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور اپنے اشعار میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں یعنی شعراء۔ ایمان دار عامل صالح اس غوایت ومذمت شعر سے مستثنیٰ ہیں۔'' (صحیح)

باب: من قال: ((إن من البيان سحراً))

بعض بیان میں جادو ہوتا ہے

٨٩٦. عن ابنِ عبّاسٍ: أنَّ رجلًا ـ أو أعرابياً ـ أتى النَّبيَّ ﷺ فتكلَّمَ بكلامٍ بيّنٍ فقالَ النَّبيُّ ﷺ: ((إنَّ مِنَ البَيَانِ سِحْرًا، وإنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً.))

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی یا کہا ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اس نے بہت اچھی گفتگو کی آپ ﷺ نے فرمایا کچھ بیان جادو ہوتے ہیں اور کچھ شعر حکمت ودانش والے ہوتے ہیں۔'' (صحیح)

فائدہ: بخاری میں اس طرح ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا دو آدمی مشرق سے آئے انہوں نے خطبہ دیا لوگوں نے ان کی خوش بیانی پر مسرت کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک کچھ بیان جادو اثر ہوتے ہیں۔ بعض اہل علم نے اس کو ذم پر محمول کیا ہے اور بعض نے مدح پر اوّل اظہر ہے۔ بدلیل حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جو کہ مرفوع آئی۔ هلك المتنطعون تین بار اس طرح کہا۔ (رواه مسلم)

مراد تنطع سے تصنع وتعمق ہے کلام میں اور حدیث ابوامامہ رضی اللہ عنہ میں بیان کو ایک شعبہ نفاق کا ٹھہرایا ہے۔ (رواه الترمذی)

٨٩٧. عن عمرَ بنُ سلامٍ، أنّ عبدَ الملكِ بنَ مَرْوَان دفعَ وَلَدَهُ إلى الشعبي يُؤَدِّبُهُمْ، فقالَ: عَلِّمْهُمُ الشِّعْرَ يَمْجُدُوْا وَيُنْجِدُوْا، وَأَطْعِمْهُمُ اللَّحْمَ تَشتدَّ قُلُوْبُهُمْ، وَجزَّ شُعُورَهُمْ، تشتدَّ رِقَابُهم، وجالسْ بهم عِلْيَةَ الرِّجَالِ يُنَاقضُوهُمُ الْكَلام. (ضعيف الإسناد)

''عمر بن سلام سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹوں کو امام شعبی رحمہ اللہ کے سپرد کیا تاکہ وہ انہیں ادب وآداب کی تعلیم دیں۔ نیز کہا ان کو شعر سکھاؤ تاکہ بزرگی اور بلند مرتبہ حاصل کریں۔ ان کو گوشت کھلاؤ تاکہ ان کے دل ودماغ مضبوط ہوجائیں اور ان کے بال کاٹتے رہو تاکہ ان کی گردنیں موٹی اور مضبوط ہوں اور انہیں اشراف کی مجالس میں بٹھاؤ ان سے بحث ومباحثہ کریں تاکہ علم اور حوصلہ بڑھے۔''

افتاء

۱: ولادت سے قبل اسقاطِ حمل؟
۲: ولادت سے قبل جنس معلوم کرنا؟

شیخ الحدیث مفتی محمد عبیداللہ خاں عفیف حفظہ اللہ

سوال: بعض مادہ پرست والدین افلاس اور تنگ دستی کے خوف سے کثرت اولاد سے بچنے کے لیے حمل ضائع کرا دیتے ہیں۔

بعض آبرو باختہ کنواری لڑکیاں بدنامی سے بچنے کے لیے حرامی حمل ضائع کرا دیتی ہیں۔

بعض کج فکر لوگ معاشرتی قباحتوں کی وجہ سے لڑکیوں سے نفرت کرتے ہیں اور الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے قبل از ولادت جنس کا پتا چلاتے ہیں اگر لڑکی ہوتی ہے تو حمل کا اسقاط کرا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا کیا یوں

۱: فقیری اور محتاجی کے ڈر سے حمل کا اسقاط جائز ہے؟

۲: ناجائز حمل گرا دینا جائز ہے؟

ان سوالوں کا جواب مطلوب ہے۔ (تلمیذکم المطیع، محمد عباس فاضل مدینہ یونیورسٹی، ساکن چیلو ضلع گانگچھے۔ بلتستان)

جواب: الجواب بعون اللّٰہ الاحد الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء محمد وعلی آلہ الممجد . اما بعد!

بعض عرب دورِ جاہلیت میں بچوں کو قتل اور بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ بچوں کو تو فقیری اور تنگ دستی کے خطرہ کے پیش نظر قتل کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ بچوں کو قتل کر دینا بہت بڑی غلطی اور پرلے درجے کی حماقت ہے اور سفاہت ہے۔ کیوں کہ اصلی رازق تو میں ہوں کہ قاتلان اولاد اور فقیری کے ڈر سے قتل کیے جانے والے بچوں دونوں کو روزی میں دیتا ہوں۔ لہٰذا ان نومولود بچوں کا قتل چہ معنی دارد۔ چناں چہ فرمایا:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ۚ﴾ (الانعام: ۱۵۱)

''کہہ دیجیے آؤ میں تم پر وہ کچھ تلاوت کر کے سنا دوں جو تم پر تمہارے ربّ نے حرام ٹھہرایا ہے (وہ) یہ کہ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اور اپنی اولاد کو فقیری کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ تم کو بھی اور ان کو بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ذالك انهم كانوا يقتلون اولادهم كما سولت لهم الشيٰطين ذالك فكانوا يئذون البنات خشية العار وربما قتلوا بعض الذكور خشية الافتقار ولهٰذا ورد فى الصحيحين من حديثى عبداللّٰه بن مسعود رضى الله عنه انّهٗ سئل رسولَ اللّٰه ﷺ ایُّ الذنب اَعْظَمُ؟ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًا وَهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِیْ حَلِيْلَةَ جَارِكَ .

(تفسیر ابن کثیر، ج: ۲، ص: ۱۹۲)

''اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے فرمایا کہ شیطان کے بہلانے پھسلانے پر لوگ اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ بعض لوگ لڑکیوں کو عار کی وجہ سے زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اور بعض فقیری اور محتاجی کے پیش نظر لڑکوں کو قتل کر دیتے تھے۔

صحیحین میں ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو کسی کو اللہ کا شریک بنائے جب کہ اس نے تجھے پیدا فرمایا ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا گناہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ تو اپنے لڑکے کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا۔ میں نے پھر کہا اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔"

بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ٭ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ٭﴾

"اور جب اس لڑکی سے جو زندہ درگور کی گئی، پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی۔" (التکویر: ۸،۹)

ان دونوں آیات مقدسہ سے معلوم ہوا کہ فقیری اور محتاجی کے ڈر سے بچوں کو قتل کر دینا اور عار اور جھوٹی غیرت کے نام پر بچیوں کو قتل کر دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں اور یہ بہت سنگین جرم ہے جس کی سزا بھگتنا پڑے گی۔

جواب ②: حمل میں روح اور آثار زندگی پیدا ہوجانے کے بعد اسقاطِ حمل کی حرمت میں تو شرعاً کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ حمل خواہ حلالی ہو یا حرامی اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیوں کہ جب حمل میں زندگی پیدا ہوگئی تو اس کے اور زندہ نفس کے درمیان اس کے سوا اور کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا کہ ایک پردہ رحم میں لپٹا ہوا ہے اور دوسرا اس دنیائے آب وگل میں قدم رکھ چکا ہے۔ قتل نام ہے کسی زندہ وجود کو زندگی سے محروم کر دینے کا، خواہ وہ زندہ حلال زادہ ہو یا حلال زادہ نہ ہو۔ اگر بطن مادر میں ہو تو قتل ہے اور اس دنیا میں آنے کے بعد تو بھی نفس کشی ہے۔ دواؤں اور گولیوں کے زور سے ہو تو بھی قتل ہے یا آپریشن کے ذریعہ سے یا تلوار اور بندوق کی گولی سے ہو تو بھی قتل ہے۔

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ کے مخاطب اگر بچوں کو قتل اور بچیوں کو زندہ درگور کر دینے والے ہو سکتے ہیں تو آخر وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ کیوں کر ہو سکتے ہیں جو رحم مادر میں پلنے والے بچوں کو زندگی کی نعمت سے محروم کر دیں اس لیے فقہائے اسلام نے بالاتفاق اس صورت میں اسقاطِ حمل کو ناجائز رکھا ہے اور حرام قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اسقاط الحمل حرام باجماع المسلمين وهو من الواد الذى قال الله تعالىٰ فيه۔ ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ٭ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ٭﴾.

(فتاویٰ ابن تیمیہ، ج: ٤، ص: ٢١٧)

"اسقاطِ حمل بالاجماع حرام ہے اور یہ اسی نفس کشی میں داخل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قیامت کے دن زندہ دفن کر دی جانے والی معصوم بچیوں سے سوال کیا جائے گا کہ تمہیں کس جرم میں قتل کر دیا گیا۔"

جہاں تک زندگی اور روح پیدا ہونے سے پہلے اسقاطِ حمل کی بات ہے تو یہ بھی ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔ درر الاحکام میں ہے:

الجنين الذى استبان بعض خلقته بمنزلة الجنين التام. (درر الاحكام، ج: ٢، ص: ١٠٩ وجدید فقہی مسائل از سیف اللہ خالد)

ایسا حمل جس کے بعض اعضاء دیکھنے میں آ جائیں وہ کامل الخلقت وجود کے درجے میں ہے۔ اسی اصول کی روشنی میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر تکمیل خلقت سے پہلے ہی حمل ساقط کر دیا جائے تو وہی ضمان واجب ہوتا ہے جو ایک "کامل الخلقت" حمل ضائع کرنے کی صورت میں واجب ہوتا ہے جس نے کسی حاملہ کے پیٹ پر مارا اور حمل ساقط ہوگیا۔ تو چاہے اس کی تخلیق پوری ہوگئی ہو یا ابھی پوری نہ ہوسکی ہو بالاجماع غرہ (ایک غلام یا باندی کا دینا) واجب ہوگا۔ اس لیے کہ اس سے ایک کامل انسان کی تخلیق متوقع تھی۔

(تفسیر مظہری، ج:١٠، ص:٢٠٦)

ممکن ہے یہاں اشکال پیدا ہو چوں کہ ایک دوسرا آدمی کسی کے

ساتھ اس کی رضامندی کے بغیر جبراً اور ظلماً یہ حرکت کرتا ہے اس لیے اس کو جرم قرار دے گیا گیا ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی خود اپنی مرضی سے ایسا کرے تو اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؟

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلام میں انسان خود اپنے جسم کا بھی مالک نہیں ہے۔ اس کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے بدن کے کسی عضو کو کاٹ ڈالے یا پھر خودکشی کرلے۔ اس لیے جب یہ حرکتیں دوسروں کے لیے حرام ہیں تو شریعت خود اس کو بھی مجرم ٹھہراتی ہے اور بسا اوقات سزا کا مستحق قرار دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے ایسی حرکتوں کے ارتکاب پر عورت کو قاتلہ قرار دیا ہے۔ چناں چہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

ولا یخفی انها تأثم اثم القتل لو بان خلقهٗ ومات بفعلها . (ردّ المحتار، ج: ۵، ص: ۵۱۹)

''اور یہ بات ظاہر ہے کہ آثار خلقت کے ظہور کے بعد اگر پیٹ کا بچہ عورت کی اپنی حرکت سے مرگیا تو اس کو قتل کا گناہ ہوگا۔''

ابراہیم نخعی ﷫ نے ایسی عورت کے سلسلہ میں جس نے دوا پی کر یا کچھ داخل کر کے اپنا حمل ساقط کرلیا ہو، کہا ہے کفارہ دے اور اس پر ایک غرہ (غلام یا باندی خرید کر آزاد کرنا) واجب ہے۔

(المحلّٰی ابن حزم، ج: ۱۲، ص: ۳۷۸)

مفتی قاضی خاں ﷫ نے تو اس سلسلہ میں بڑی عمدہ بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسقاطِ حمل اگر زندگی پیدا ہونے کے بعد ہو تو ظاہر ہے اس کی حرمت میں کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اگر زندگی کے ظہور سے پہلے ہی اسقاط ہو تو تب بھی جائز نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جب تک روح نہ پیدا ہو جائے حمل کو عورت ہی کا جزو اور حصہ بدن تصور کیا جائے گا اور جس طرح کسی کا قتل درست نہیں۔ اسی طرح اپنے جسم کے کسی حصہ کو بھی کاٹ پھینکنا حرام ہے۔ (قاضیخاں کتاب الخطر والاباحة۔ جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

علامہ یوسف قرضاوی فرماتے ہیں:

اسلام نے مانع حمل طریقے اختیار کرنا ایسی صورت میں جائز ٹھہرایا ہے جب کہ ضرورت اس کی متقاضی ہو۔ لیکن جب حمل قرار پاچکا ہو تو اس کو نقصان پہنچانا کسی صورت میں جائز نہیں۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفخ روح کے بعد جنین کا اسقاط حرام اور جرم ہے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ صورت جنین کے حق میں جو ایک زندہ وجود اور اپنی ساخت میں کامل ہے۔ صریح ظلم ہے۔

اس لیے فقہاء کہتے ہیں کہ حمل ساقط کرانے کی صورت میں اگر جنین زندہ پیدا ہو کر مرجائے تو دیت لازم آئے گی اور اگر جنین مردہ پیدا ہوگیا تو جرمانہ ادا کرنا ہوگا جس کی مقدار دیت سے کم ہوگی۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب قابل اعتماد ذرائع سے یہ اندازہ ہو جائے کہ جنین کو بچانے کی صورت میں لامحالہ ماں کی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور اسقاط کے سوا کوئی دوسری صورت جان بچانے کی ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں اسقاط ضروری ہوجاتا ہے۔

شریعت کا عام قاعدہ یہ ہے کہ دو ضرر رساں چیزوں میں سے کم ضرر رساں چیز کو اختیار کیا جائے۔ اس قاعدے کے پیش نظر بچہ کی جان کو بچانے کی خاطر ماں کی زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈالا جاسکتا۔ کیوں کہ ماں کی زندگی اصل ہے اور اس کا حق مقدم ہے۔ لہٰذا اس کی زندگی کو جنین کی زندگی پر ہرگز قربان نہیں کیا جاسکتا۔

(فتاویٰ شیخ شلتوت، ص: ۴۶۴)

حضرت امام غزالی ﷫ فرماتے ہیں کہ

منع حمل اور اسقاط میں فرق کیا جانا چاہیے۔ منع حمل قتل اولاد کے مترادف نہیں ہے کیوں کہ قتل اولاد کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب کہ بچہ وجود میں آچکا ہو۔ بچہ کے وجود میں آنے کے کئی مدارج ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ رحم میں نطفہ قرار پاجائے اور اس میں زندگی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے ایسی صورت میں اس کو ضائع کرنا گناہ کا کام ہے۔ پھر جب خون کا لوتھڑا بن جائے تو اس کو ضائع کرنا اس سے زیادہ گناہ کی بات ہے۔ اور جب اس میں روح پھونکی جاچکی

ہو اور وہ صحیح الخلقت انسان بن گیا ہو تو اس کو ضائع کرنا گناہ میں اضافہ کا موجب ہے اور حد درجہ گناہ یہ ہے کہ بچہ کو پیدائش کے بعد قتل کردیا جائے۔(احیاء العلوم، کتاب النکاح، حلال و حرام، ص: ۲۶۸، ۲۶۹)

اس ساری گفتگو کا ماحاصل یہ ہے کہ حمل خواہ جائز ہو یا ناجائز ہو جب اس کے بعض اعضاء نظر آنے لگ جائیں تو اس کا اسقاط بہرحال ناجائز حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس کے اسقاط میں ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنی پڑتی ہے۔ اور اگر اس میں زندگی اور روح پیدا ہوجائے تو اس کو ضائع کردینا زمین پر چلنے والے انسان کے قتل کے برابر ہے۔ الا یہ کہ سچ مچ ماں کی زندگی خطرہ میں ہو تو چوں کہ اصل ہے۔ لہٰذا جنین کے مقابلہ میں ماں کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔ ناجائز حمل کو عار اور شرمندگی سے بچنے کے لیے ضائع کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کہ عار اور شرمندگی کوئی شرعی عذر نہیں۔ واللہ الهادی



فکر ونظر

قسط نمبر ①

سیرت نبوی ﷺ اور تہذیبی کشمکش

ڈاکٹر خالد ظفر اللہ (ایسوسی ایٹ پروفیسر صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، سمندری)

دورِ حاضر تہذیبی تصادم کا دور کہلاتا ہے۔ سات براعظموں پر پھیلا ہوا کرۂ ارضی سائنسی ایجادات اور الیکٹرانک میڈیا کے سامنے سمٹ کر گلوبل ولیج بن چکا ہے۔ اس بڑے گاؤں پر مغربی ثقافتی یلغار سیل رواں کی طرح چھائی جا رہی ہے۔ اور غالب یورپین اقوام کی عسکری چڑھائی اور ایک بالشت کی بھی دیوار پھاندے بغیر بیڈ روم تک تہذیبی غلبہ پاچکی ہیں۔ سونیا گاندھی بھی طعنے دے رہی ہے کہ ہم نے پاکستان کے ساتھ ثقافتی جنگ جیت لی ہے۔

عصر حاضر کی اس ثقافتی جنگ میں بحیثیت مسلم قوم ہمارے تین طرح کے رویے سامنے آتے ہیں۔

۱: غالب مغربی اقوام کے سامنے تمام تر مرعوبیت کے ساتھ ان کی برآمد کردہ ثقافت کو ساری اخلاقی برائیوں اور تمدنی خرابیوں کے باوجود شان امتیاز گردانا اور بطور نجات دہندہ دل وجان سے قبول کرنا۔ اپنے وجود اپنے گھر بار اور در ودیوار سے اس کی بھرپور نمائندگی کی کوشش کرنا۔

۲: تمام تر انکار کرتے ہوئے مدمقابل مذبوجی حرکات کرنا۔ مثلاً ٹی وی توڑنا، کالروالاقمیص نہ پہننا۔

۳: الکلمة الحکمة ضالة المؤمن کی حکیمانہ روش اور خذ ما صفا ودع ما کدر کی مومنانہ فراست کے ساتھ باعث خیر کو قبول کرنا اور باعث شر کو ردّ کرنا۔

یہاں پر چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔ کیا مسلمان ایک بہروپیا کا کردار اپنانے والا ہوتا ہے کہ ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتا ہے۔ اور تہذیب اغیار کا نمائندہ بن جانا گوارہ کرلیتا ہے۔ کیا اسلامی تہذیب پر کار بند رہنا اس کے لیے لازم نہیں ہے؟ حقیقی مسلمان صرف اپنی تہذیب کا علمبردار ہوتا ہے بہروپیا نہیں کہ تہذیب اغیار کو اپنے چہرے پر سجا لے۔

اس کے برعکس ثقافتی جنگ میں باعث خیر کو بھی ردّ کرتے چلے جانا کیا اسلامی سوچ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ باعث خیر کو ردّ کرنا اسلامی طرز فکر نہیں بلکہ مشرکین مکہ کا وتیرہ ہے۔ وہ کہتے تھے:

> ’’اے اللہ! اگر یہ حق تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کا مینہ برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ۔‘‘

(الانفال:۳۲)

مسلمان کے اس قسم کے رویوں کے بالمقابل اگر ہم پیغمبر انقلاب حضرت محمد ﷺ کی انقلابی سیرت کا مطالعہ کریں کہ آپ نے مشرکین مکہ، جزیرۃ العرب کے اہل کتاب اور اہل مجوس عجم کے تہذیبی طور اطوار کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا تھا؟ محمد بن حبیب (۲۴۵ھ) کی کتاب المحبر جیسی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد تہذیب اغیار کے بارے میں آپ کے رویے کا خلاصہ یوں سامنے آتا ہے:

۱: باطل اور شر کی نمائندہ روایات کو تمام تر مخالفت کرتے ہوئے ردّ کرنا۔

۲: خیر وشر کی جامع ثقافتی رسومات کو ردّ وبدل کے بعد اپنانا۔

۳: عمدہ اخلاق وتمدنی عادات کو بعینہٖ قبول کرلینا۔

۴: کلیتاً نئی تہذیبی تعلیمات سامنے لانا۔

سیرت نبوی ﷺ کا تہذیبی کشمکش کے حوالے سے جائزہ لینے سے پہلے تہذیب وتمدن یا ثقافت وکلچر کے بارے میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔ یہی چاروں لفظ معمولی اصطلاحی فرق کے باوجود باہم مترادف معنوں میں مستعمل ہیں۔ ان کے مفہوم میں کسی قوم کے

عقائد ونظریات کی بنیاد پر اختیار کردہ مذہبی، اخلاقی سماجی رویے اور معاشرتی، معاشی وسیاسی طرز زندگی شامل ہے۔ سماجی علوم کے نامور ماہرین کی پیش کردہ تعریفوں میں الفاظ کا معمولی فرق تو پایا جاتا ہے۔ لیکن تہذیب وتمدن یا ثقافت وکلچر کی مشترک روح سب کے ہاں یہی ہے کہ افکار ونظریات اور ان کی بنیاد پر اختیار کردہ انسانی زندگی بالفاظ دیگر عقیدہ وعمل کے مجموعے کا نام تہذیب وتمدن ہے۔

نامور مسلم تاریخ دان اور ماہر عمرانیات ابن خلدون (م ۸۰۸ھ، ۱۴۰۶ء) کے ہاں لفظ حضارۃ اسی مفہوم کی نمائندگی کرتا ہے۔

(مقدمه تاريخ ابن خلدون، ص: ۳۳۱-۳۳۳)

یہ بات واضح ہونے کے بعد کہ تہذیب وتمدن میں عقائد ونظریات بنیاد ہیں اور انداز بودو باش، طرز معاشرت، طرز معیشت، طرز سیاست، علوم وفنون، عبادات ومعاملات ظاہری رویے ہیں اس بات کو دھرانا بھی مفید ہوگا کہ ہر آدمی اپنے اپنائے ہوئے نظریہ حیات کی بنیاد پر خطوط زندگی استوار کرتا ہے۔ کسی فرد یا قوم پر تہذیبی غلبہ پانے کے لیے الغزو الفکری کی مدد سے نظریات کی بنیادیں متزلزل کرنا شرطِ اوّلیں ہے۔

اب ہم تہذیبی کشمکش کے حوالے سے سیرت نبوی ﷺ کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو سب سے پہلے نبی ﷺ خود تصادم کا آغاز کرتے نظر آتے ہیں۔ جب آپ نے یہ نعرہ لگایا: لا الہ الا اللہ...... جس نے ان کے عقائد کی نفی کی، ان کے نظام کی نفی کی، ان کے رسم ورواج کی نفی کی، ان کے رذائل اخلاق کی نفی کی، ان کے معاشرتی نظام کی نفی کی، معاشرتی اونچ نیچ کی نفی کی، نسل پرستی کی نفی کی، آباء پرستی کی نفی کی، ہوائے نفس کی نفی کر دی گویا تہذیب وتمدن کے جملہ رویوں اور مظاہر کی نفی کر کے تہذیبی ٹکراؤ کا آغاز کر دیا۔

آپ نے مشرکین عرب اور اہل کتاب کے عقائد کو بیت عنکبوت ٹھہرایا۔ ان پر واضح کیا کہ یہ صنم، پتھر کی تراش خراش کے باوجود پتھر ہی رہتا ہے نفع نقصان کا مالک نہیں بن جاتا یہ بے چارا تو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی سے کچھ واپس نہیں لے سکتا۔ (الحج: ۷۳)

اسی طرح اہل کتاب کے انبیاء کو ابن اللہ قرار دینے کے غیر معقول عقیدے کی گرہ کشائی کی۔ (الاخلاص: ۳)

ایک عظیم مصلح محمد بن عبدالواہاب (۱۲۰۶ھ، ۱۷۹۲ء) نے اپنی کتاب "مسائل الجاهلية التى خالف فيها رسول الله ﷺ اهل الجاهلية" میں ایسے ایک سو جاہلانہ نظریاتی مسائل پر اسلامی تنقید کو جمع کر دیا ہے۔ (مسائل الجاهلية)

پیغمبر ﷺ نے مسلسل ۱۳ سالہ مکی دور میں ان کی تہذیبی بنیادیں منہدم کیں اور اپنی نظریاتی بنیادیں مضبوط کیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مکی دور رسالت درحقیقت اسلامی تہذیب کی جڑیں مضبوط کرنے اور بالمقابل تہذیبوں کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا دور ہے۔

اس کے بعد مدنی دور اسلامی تمدن وثقافت کے پروان چڑھانے کا دور ہے۔ اس میں آپ ﷺ نے اپنے اردگرد موجود اقوام کے تہذیبی رویوں کی زیادہ تر مخالفت کی۔ کیوں کہ وہ تمدن برائی کے علمبردار بن چکے تھے۔ یہ مخالفت اس قدر شدید تھی کہ بالآخر آپ ﷺ کے بارے میں یہود چلا اٹھے کہ اس شخص نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرے گا۔

ما يريد هذا الرجل ان يدع من امرنا شيأ الا خالفنا فيه. (صحيح مسلم، رقم: ۳۰۲)

آپ کا رویہ بھی اس بارے میں کچھ یوں تھا:

هدينا مخالف لهديهم.

ہماری ثقافت اغیار کی ثقافت سے الگ تھلگ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اس شدت سے مخالفت کرنا بالکل فطری تھا۔ کیوں کہ انسانی وجود میں ظاہر وباطن کا گہرا تعلق ہے۔ ظاہر باطن کا پابند ہے اور باطن ظاہر سے متاثر۔ اگر ظاہری یعنی خارجی طور پر ہم غیر اسلامی تہذیب کو اختیار کریں گے تو اس کے اثرات دل ودماغ پر ضرور مرتب ہوں گے۔ اور آہستہ آہستہ پھر اسی غیر اسلامی تہذیب کے گمراہ کن افکار ونظریات بھی قلب مسلم پر قبضہ کر لیں گے۔ اس تباہ کن خدشہ کے پیش نظر پیغمبر حکمت ودانش نے مسلمانوں کو غیر مسلم اقوام کے تہذیبی طور

اطوار سے بالکل کاٹ دیا۔ اور کئی ایک بار اس بارے میں نرمی دکھانے والوں کو آگاہ کیا کہ اگر میری پیش کردہ اسلامی تہذیب کی بجائے دوسروں کی طرف رخ کروگے تو پھر انہیں میں گردانے جاؤ گے۔

من تشبه بقوم فهو منهم .

(سنن أبی داؤد، ص: ۱۵۱۸، رقم: ۴۰۳۱)

مسلم قوم کی اعلیٰ ایمانی، اخلاقی وتمدنی تعلیمات سے تربیت کے بعد آپ ﷺ کو غیر اسلامی تہذیب کی طرف ذرا سا میلان بھی پسند نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود مدینہ کے پاس سے گزرتے ہوئے تورات سے ان کی صرف ایک دعا نوٹ کی اور آکر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پڑھنی شروع کردی تو آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔

(مراسیل ابی داؤد، ص: ۱۸۳)

آپ ﷺ نے شرفِ انسانی کے منافی انداز ردّ کرتے ہوئے انسانی وقار کے شایان شان طور طریقے اسلامی تہذیب میں اختیار کیے۔ مثلاً قبل از اسلام عرب مردوں میں کھڑے ہوکر بھی پیشاب کرنے کا رواج تھا۔ جب کہ عورتیں بیٹھ کر ہی پیشاب کرتیں۔ آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا نامناسب انداز پسند نہیں فرمایا اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کو رواج دیا تو عرب پکار اٹھے کہ انہوں نے تو عورتوں کا سا انداز اپنا لیا ہے۔

انـه صـلـى الله عليه وسلم بال جالسا مخالفا لـعادة العرب فقالوا متعجبين انظروا اليه يبول كـما تبول المرأة . (شـرح الـزرقانی علی المواهب اللدنية للقسطانی، ج: ٤، ص: ٢٣٤)

عورت کی ماہانہ بیماری کے دنوں میں اس سے اپنایا ہوا غیر انسانی اور غیر اخلاقی یہودی رویہ کے برعکس آپ ﷺ نے جنسی تعلقات سے ہٹ کر دیگر تمام تعلقات باقی رکھنے کی اجازت دی۔

(صحیح مسلم، حدیث: ۳۰۲)

تو اس پر بھی یہودی چلاتے تھے کہ

مـا يـريـد هـذا الرجل ان يدع من امرنا شيأً الا خالفنا فيه .

ہر تہذیب کا نمائندہ بنیادی یونٹ گھر ہوتا ہے۔ یہود کے گھر گندگی کے ڈھیر ہوتے تھے۔ آپ نے اس حوالے سے ان کی مشابہت سے منع فرمایا۔ لا تشبهـوا بـاليهـود۔ (سـلـسـلة الاحـاديـث الصحيحة، ج: ۱، ص: ٤١٩)

اور ایک حدیث میں اپنے گھر بار کو صاف ستھرا رکھنے کی تلقین کی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہودی صاف ستھرا نہیں رکھتے۔

طهـروا افنيتـكـم فان اليهود لا تطهر افنيتها .

(سـلـسـلة الاحـاديـث الصحيحة، ج: ۱، ص: ٤١٨، رقم: ٢٣٦)

گھر بار کے حوالے سے یہودیوں کے گندے کلچر کے مقابلے میں اپنا انتہائی صاف ستھرا کلچر پیش کیا۔ بلکہ اسلامی کلچر میں "الـطهـور شطر الايمان" (صـحـيـح مسلم، ص: ٧١٨، رقم: ٥٣٤) فرما کر ہر طرح سے صفائی کو نصف ایمان ٹھہرایا گیا۔ دورِ حاضر کے عظیم مسلم مفکر عالیجاہ عزت بیگوویچ کے الفاظ میں یہ اسلام کا اعزاز ہے کہ جسمانی صفائی کو بھی ایمان وعقیدے کا جزو بنا دیا گیا ہے۔ دیگر تمام مذاہب میں جسم اور اس کی نظافت ''خارج از بحث'' ہے۔ مثال کے طور پر مسیحیت کے پھیلنے پھولنے کے ساتھ رومی تہذیب کے بنائے ہوئے غسل خانے غائب ہونے لگے۔ کلیسا نے غسل خانے، گرجا گھروں اور معبدوں میں تبدیل کردیئے۔ اس کے برعکس اسلام نے مساجد کے ساتھ غسل خانے اور طہارت خانے قائم کروائے۔ دنیا میں کوئی ایسی مسجد نہیں ہے جس میں فوارہ (یا موجودہ دور میں وضو خانہ) نہ ہو۔ یہ سب اتفاقی طور پر نہیں ہوا۔

(اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش، ص: ۲۷۷ مع حاشیہ)

بچے کی پیدائش پر دور جاہلیت پر عقیقہ پر جانور کے خون میں روئی رنگتے اور پھر بچے کی حجامت کے بعد یہ روئی سر پر رکھتے۔ آپ ﷺ

نے ان کی اس جاہلانہ رسم کی مخالفت کی اور اس کی جگہ اس کے سر پر خوشبو لگانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

اجعلوا مكان الدم خلوقا . (سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج: ١، ص: ٧٥٢، رقم: ٤٦٣)

کیونکہ آپ ﷺ ایسا کلچر پروان چڑھا رہے تھے جو ہر طرف سے خوشبوئیں بکھیرنے والا تھا۔

اہل کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کم کرنے کی تلقین کی تاکہ اسلامی تہذیب کی شناخت ہو اور مسلمان ہر جگہ اپنی ثقافت کا علمبردار ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

وفروا عقانيكم وقصروا سبالكم وخالفوا اهل الكتاب . (سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج: ٣، ص: ٢٤٩، رقم: ١٢٤٥)

سر پر غیر مہذبانہ اور مضحکہ خیز انداز میں کچھ بال کٹوانے اور کچھ چھوڑنے والی طرز حجامت کو ترک کرنے کا حکم دیا۔

نهى عن القزع . (سنن ابن ماجه، رقم: ٣٦٣٧)

سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو یہود ونصاریٰ کی مخالفت میں مہندی سے رنگنے کا حکم دے کر آپ ﷺ نے اپنی ثقافتی جنگ جاری رکھی اور فرمایا:

ان اليهود والنصارىٰ لا يصبغون فخالفوهم .

(صحيح البخاري، رقم: ٣٤٦٢)

وضع قطع کے علاوہ کفار کے لباس پہن کر ان کی مشابہت اختیار کرنے سے بھی منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے جب حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص پر زرد رنگ میں رنگا ہوا کپڑا دیکھا تو فرمایا: ''أ أُمك امرتك بهذا؟'' کیا تیری ماں نے تجھے یہ پہننے کا حکم دیا ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی ناراضگی جان گئے اور پوچھا کیا اس کو دھو ڈالوں؟ آپ نے فرمایا: ((بل احرقهما)) بلکہ انہیں جلا دو۔'' ((ان هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها)) یہ کفار کے کپڑے ہیں انہیں مت پہنو۔'' (صحيح مسلم، رقم: ٥٤٣٦)

مشہور عرب مقولہ ہے کہ ''الناس باللباس'' کہ لباس لوگوں کی پہچان ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام کو یہ قطعاً پسند نہیں تھا کہ ایک مسلمان غیر اسلامی تہذیب کا نمائندہ مخصوص لباس پہن کر ان کی تہذیب کا چلتا پھرتا نمائندہ نظر آئے۔ بلکہ غیر اسلامی تہذیب کا کوئی رنگ ڈھنگ وجود مسلم پر عیاں ہونا اسلامی غیرت کے منافی ہے۔ اسی لیے آپ نے لباس رہبان پہننے والے کے بارے میں اپنے غصے کا اظہار فرمایا اور اسے صحیح معنوں میں اپنے ماننے والوں میں ہی تسلیم نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اياكم والبوس الرهبان ، فانه من تزيابهم او تشبه فليس منى . (اخرجه الطبرانى فى الاوسط بسند لا بأس به كذا فى الفتح، ج: ١٠، ص: ٢٢٣)

مسلمانوں کو اپنی معاشرت میں یہود ونصاریٰ کے طرز ملاقات اور انداز دعا وسلام کے اپنانے سے آپ نے روک رکھا ہے تاکہ ان کی تہذیبی روایات مسلمانوں میں در نہ کر آئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تسلموا تسليم اليهود والنصارىٰ...... .

(البانى سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج: ٤، ص: ٣٨٩)

یہود ونصاریٰ کے سر اور ہاتھ کے مخصوص اشارے والے سلام کے علاوہ آپ ﷺ نے مشرکین عرب کے انداز سلام وکلام کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ جب غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ شکست کھا کر غم غصہ میں تلملا رہے تھے تو صفوان بن امیہ نے عمیر بن وہب جمحی کو آپ ﷺ کے قتل کے لیے بھیجا۔ عمیر نے مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی میں آپ ﷺ سے ملاقات پر صبح بخیر کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے تحیہ سے مشرف کیا ہے جو تمہارے اس تحیہ سے بہتر ہے یعنی سلام سے جو اہل جنت کا تحیہ ہے۔ (الرحیق المختوم، ص: ۳۸۷)

(جاری ہے)



تعلیم وتربیت

نحو وصرف کی صحیح اور جامع تدریس کے اصول

محمد بشیر (متخصص فی تعلیم اللغة العربية لغير العرب) اسلام آباد

صرف ونحو کا فن عربی زبان کا ایک اہم جزو اور بنیادی حصہ ہے اور اس کی تفہیم وتعلیم میں بہت مفید اور معاون ہے۔ اس کی اسی افادیت کی وجہ سے اس کی تدریس علوم شرعیہ اور علوم عربیہ کی تدریس کے ساتھ ہی شروع کردی جاتی ہے، تاکہ زیر تعلیم کمسن بچے شروع ہی سے اس کے مسائل سے واقف ہوکر اسلامی وعربی علوم کی اچھی اور پختہ تعلیم حاصل کرسکیں، لیکن ہمارے علاقے اور ملک کے اکثر اداروں میں اس فن کی تعلیم وتدریس میں عرصے سے ایسی کئی سنگین غلطیاں ہورہی ہیں جن کی وجہ سے اس مفید فن کی تدریس مفید کم اور مضر زیادہ بن گئی ہے۔ اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے اسلامی مدارس کے طلبہ، معلّمین اور عامة المسلمین میں عربی صرف ونحو کا یہ مضمون سب سے زیادہ مشکل، خشک اور خوفناک شمار ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے بچوں کی ایک بہت بڑی تعداد اسلامی مدارس میں داخل ہونے سے انکار کردیتی ہے۔ جب کہ زیر تعلیم بچوں کی بہت بڑی تعداد مدارس کے نصاب اور طریقہ تدریس سے مایوس ہوکر فرار ہوجاتی ہے۔

مصر کی جدید علمی وادبی اور دینی ترقی کے عظیم راہنما امام محمد عبدہ رحمہ اللہ کی دورِ طالب علمی کے ابتدائی واقعات میں مذکور ہے۔

فاستظهر القرآن في كتّاب القرية وأرسل في طلب العلم إلى الجامع الأحمدي فالأزهر الشريف، لكنه مني في أول دراسته بمعلمين غير أكفاء لقنوه المسائل من غير تفهيم، فسئمها وفر فلما ذاق حلاوة العلم صبر على مرارة التعلم، واستغرق وسعه في الدرس حتى نال في قليل من الزمن كثيرا من العلم.

(تاريخ الأدب العربي لأحمد حسن الزيات، ص: ۲۹۰)

''انہوں نے اپنے گاؤں کے مکتب میں قرآن حفظ کرلیا تو مزید تعلیم کے لیے انہیں جامع مسجد احمدی میں اور پھر جامعہ ازہر میں داخل کرایا گیا لیکن انہیں شروع میں ایسے معلّمین سے واسطہ پڑا جو قابل نہ تھے اور تفہیم کے بغیر مسائل رٹاتے تھے تو وہ اکتا کر ان دونوں درسگاہوں سے بھاگ گئے۔ پھر جب علم کا مزہ آیا تو ہر تلخی وسختی کو برداشت کیا اور اسباق میں خوب محنت کی اور تھوڑے وقت میں وافر علم حاصل کرلیا۔''

ہر سال رونما ہونے والے ایسے واقعات سے ہمارے مخلص اور متدین لوگوں کے ذہنوں میں اسلامی مدارس کے نصاب اور طریقہ تعلیم کے بارے میں طرح طرح کے سوالات اور شکوک پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ بات صرف اس حد تک محدود نہیں ہے بلکہ ہمارے معاشرے اور خطے کے تمام تعلیم یافتہ طبقوں جن میں علماء، معلّمین، ناظمین بھی شامل ہیں، کے ذہنوں میں عربی زبان کے بارے میں طرح طرح کے غلط خیالات اور تصورات (مثلاً عربی غیر ملکی زبان ہے اور عربی نہایت مشکل وپیچیدہ زبان ہے وغیرہ وغیرہ) پختہ اور راسخ ہوچکے ہیں اور صدیوں سے نسل در نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اس لیے ہمارے ہاں ان مضامین کے مروّجہ نصاب تعلیم، نصابی کتابوں اور طریقہ تعلیم کا مفصل جائزہ لینا ضروری ہوجاتا ہے۔

میں دردمند علماء، معلّمین اور مدارس کے ناظمین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری ان گزارشات اور آراء کو اس نقطہ نظر سے پڑھیں کہ میں انہیں اسلامی مدارس کے طلبا وطالبات اور معلّمین کی

بھلائی اور ترقی کے لیے پیش کر رہا ہوں۔

تعلیم وتربیت کی عظیم قدرتی درسگاہ کا طریقہ تعلیم عملی ہے:

اس صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے سب سے پہلے ہم خالق کائنات سبحانہ وتعالیٰ کی اس عظیم اور وسیع درسگاہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہے اور جس میں تمام انسانوں بلکہ دیگر مخلوقات کو ان سب کی اپنی اپنی زبانیں سکھانے کا قدرتی نظام ہر وقت جاری وساری رہتا ہے۔ آئیں دیکھئے، یہاں ہر زبان اور اس کی گرامر کی تعلیم دینے کا اسلوب سو فیصد عملی ہے۔ اس میں ہر بچہ اپنی ولادت کے دن سے ہی اپنی مادری زبان کو اپنے ماحول یعنی اپنے والدین اور دوسرے عزیز واقارب کے ساتھ میل جول کے ذریعہ سیکھتا ہے، وہ ان کی گفتگو کو سنتا اور سیکھتا رہتا ہے اور وہ بھی اسے زبان کے الفاظ، جملے اور محاورے سکھاتے رہتے ہیں۔ وہ رفتہ رفتہ ان محاوروں اور استعمالات اور قواعد کے عمل اور صحیح استعمال کا عادی ہوجاتا ہے۔ یہ بچوں کو زبان، عقیدہ اور اخلاق وعادات اور معمولاتِ زندگی سکھانے کی قدرتی درسگاہ ہوتی ہے۔ اور اس میں تعلیم وتربیت کا طریقہ فطری اور عملی ہوتا ہے۔ اس عظیم اور دائمی قدرتی نظام تعلیم سے ہم بہت کچھ سیکھ کر اس سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ فهل من مدّکر؟!

صرف ونحو کی صحیح تعلیم کے اصول:

میرے سامنے اس وقت برصغیر پاک وہند کے علاوہ کئی عرب ملکوں، جن میں مصر، سعودی عرب، عراق، اردن، یمن، اور متحدہ عرب امارات، قطر وغیرہ شامل ہیں، کے نصاب تعلیم موجود ہیں۔ ان تمام ممالک کے ماہرین تعلیم نے عربی زبان اور نحو وصرف کی صحیح اور مؤثر تعلیم کے لیے جن اہم اصولوں کو واضح کیا ہے میں یہاں ان کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

پہلا اصول: نحو وصرف کے قواعد کی تعلیم مقصود بالذات نہیں ہوتی:

صرف ونحو کی معلومات، گردانیں اور قواعد کوئی ایسا مستقل اور الگ فن نہیں ہیں کہ انہیں عربی زبان سے علیحدہ کرکے پڑھایا جائے۔ کیوں کہ صرف ان کی تعلیم مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی تعلیم وتدریس کی اساس یہ ہوتی ہے کہ یہ قرآنِ کریم، حدیث شریف اور دیگر علوم شرعیہ کے صحیح فہم وتفسیر میں مفید ہیں اور بچوں کو عربی زبان کی عبارت کو صحیح پڑھنے، صحیح لکھنے اور صحیح بولنے میں معاون ہیں۔ اس لیے اس کی تدریس کے دوران اس کے اصل مقصد یعنی عربی زبان میں صلاحیت ومہارت پیدا کرنے پر توجہ دی جائے۔

اس اصول پر تمام عرب ملکوں کے ماہرین تعلیم متفق ہیں اور ان سب ملکوں میں اسی کے مطابق صرف ونحو کی تعلیم دی جاتی ہے کہ اگرامر کے قواعد کو عملی مشق اور تربیت کے مسلسل عمل سے ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے بطور مثال میں یہاں سعودی عرب کی وزارت تعلیم کی الوكالة العامة للتطوير التربوی (ڈائریکٹریٹ جنرل برائے تعلیمی ترقی) کی شائع کردہ تعلیمی کتاب (کتاب النحو والصرف برائے سال ۱۴۱۵ھ موافق ۱۹۹۴ء) کے مقدمہ سے تین اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

١ ـ راعينا في كتاب النحو والصرف للصف الثانوي، وضوح الفكرة، وسهولة العبارة، ودقة العرض، وإيجاز القاعدة، وكثرة التمرينات.

وقد استقينا معظم أملثة من القرآن الكريم كتاب الإسلام الخالد، حتى يمرن لسان الطلبة والطالبات على تلاوة آياته الكريمة، ليتبين لهم الغرض من دراسة قواعد العربية، وهو الاستعانة بها على فهم آيات القرآن الكريم، وترتيلها ترتيلا، لا لحن فيه ولا تحريف.

كما جاء ت بعض أمثلته من عيون الشعر العربي في عصوره المختلفة، وكذلك كان لأمثال العرب وحكمها، وبديع قصصها نصيب في ترمينات الكتاب، حتى يمتزج

درس القواعد بدرس الأدب، ويربط الطلبة بين درس القواعد، وفنون العربية الأخرى، وبذلك يبرأ درس النحو من الجمود الذى ران عليه فترة طويلة بتلك الأمثلة المصنوعة، التى يبتعد الكثير منها عن روح اللغة، وما فيها من عبقرية وجمال. (كتاب النحو والصرف۔ المرحلة الثانوية الصف الثانى، ص: ٦)

''ہم نے ثانوی سکول کی سال دوم کی اس کتاب النحو والصرف میں فکر ونظر کی صفائی، عبارت کی آسانی، طرز بیان کی گہرائی، قاعدے کے اختصار اور تمرینات کی کثرت کا اہتمام کیا ہے۔ اور زیادہ مثالوں کو اسلام کی ابدی کتاب قرآنِ کریم سے لیا ہے، تاکہ ہمارے بچوں کی زبانیں آیاتِ کریمہ کی تلاوت سے تر رہیں اور قواعد کی تعلیم کے اصل مقصد کو سمجھ لیں کہ یہ ان آیات کریمہ کا صحیح فہم اور اغلاط سے پاک تلاوت وترتیل ہے۔ پھر کچھ مثالیں ہم نے مختلف ادوار کے عمدہ اشعار سے لی ہیں۔ نیز عربی امثال وحکم اور کچھ عمدہ کہانیوں کو بھی شامل کیا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ نحو کے اسباق کو ادب اور اس کے دیگر فنون کے ساتھ مربوط کردیا جائے۔ اس طرح نحو وصرف کی تدریس اس جمود سے پاک ہوجائے جو عربی زبان کی روح اور حسن وجمال سے عاری مصنوعی مثالوں کی صورت میں عرصہ دراز تک اس پر چھایا رہا۔''

٢۔ ونود أن نلفت نظر الأساتذة الكرام، إلى أن دراسة القواعد وسيلة لا غاية تقصد لذاتها، بل تعين الطلبة على التعبير الصحيح، وضبط الأساليب، وتفهم لغة القرآن الكريم، والوقوف على أسرار بلاغته، فليس القصد أن يحفظ الطلبة القواعد النحوية عن ظهر قلب، ولا أن يرددوها بلا وعى، بل إن العبرة فى الدرس النحوى بكثرة القراء ة فى النصوص الأدبية، ومناقشة القواعد التى تخضع لها فى ضبطها بالشكل، ولذلك أكثرنا من إيراد التمرينات عقب الأبواب المختلفة، لكى تثبت القاعدة، وترسخ فى ذهن الطلبة، وبذلك تتكوّن لديهم السليقة اللغوية، ويصبحون قادرين على النطق الصحيح بلا لحن أو خطأ. (أيضاً صفحه: ٧)

''ہم محترم اساتذہ سے گزارش کرتے ہیں کہ صرف ونحو کے قواعد کی تعلیم بذات خود مقصود نہیں ہوتی، بلکہ یہ طلباء کو صحیح بول چال، عبارتوں کو درست پڑھنے اور لغت قرآنِ کریم کے صحیح فہم اور اس کی بلاغت کے اسرار واسباب سے آگاہی کا مفید اور معاون ذریعہ ہے۔ لہٰذا یہ مقصود نہیں کہ بچے انہیں زبانی یاد کریں اور انہیں بلا سمجھ رٹتے رہیں۔ بلکہ صرف ونحو کے قواعد کی صحیح تعلیم وتدریس کا معیار یہ ہے کہ چیدہ چیدہ ادب پاروں کو زیادہ پڑھایا جائے اور ایسے قواعد پر زیادہ بحث کی جائے جو ان کی صحیح تشکیل کی بنیاد بنتے ہیں۔ اس وجہ سے ہم نے مختلف ابواب کے بعد زیادہ مشقیں لکھی ہیں تاکہ ہر قاعدہ کا استخراج ہو اور وہ عملاً بچوں کے ذہنوں میں راسخ ہوکر انہیں عربی محاوروں اور عبارتوں کا اچھا ذوق اور سلیقہ فراہم کرے اور وہ غلطی سے پاک نطق وتعبیر کے عادی ہوں۔''

یہ نصاب کمیٹی ایک دفعہ پھر معلّمات کو خصوصیت سے یہ ہدایت جاری کرتی ہے:

٣۔ ملحوظة: إلى الأخوات المعلمات:

إن تدريس القواعد (النحو والصرف) بعيداً

عن إدراك مدلولاتها وصلتها بصحة المعنى، والفهم، وتذوق العبارة يُفْقِدُها روحها الحقيقية، ويحيلها إلى قوالب جامدة، ولذا فإن المعلمة بجدها وإخلاصها، وحبها للغة القرآن الكريم تستطيع أن تربط بين القواعد والمعنى، وبين القواعد وصحة الفهم وتذوق النص، ولا سيما من خلال التدريبات۔ وبقليل من الجهد المخلص مع الطالبات تتحول هذه الدروس إلى ثمرات شهية، وتتفتح في أذهان الطالبات زهور المعاني، وعبق الجمال الذي تميزت به هذه اللغة إن شاء الله . (أیضاً صفحہ: ۷)

''نوٹ برائے معلّمات:

نحو وصرف کے قواعد کو زبان دانی سے علیحدہ کرکے پڑھایا جائے تو وہ اپنی حقیقی روح سے محروم ہو کر صرف بے مقصد اور جامد سانچے بن جاتے ہیں۔ اس لیے ہم معلّمات سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کے صحیح مقاصد کو مدنظر رکھیں اور عبارت کے صحیح فہم اور عمدہ ذوق کی تربیت میں ان کے فوائد کی تطبیق کرائیں اور لغت قرآن سے محبت اور محنت واخلاص سے گرامر کے ذریعہ عربی زبان کے عمدہ سلیقہ اور ذوق کی آبیاری پر توجہ دیں خصوصاً تمرینات کے ذریعے۔ کیونکہ تھوڑی سے محنت سے یہ اسباق طالبات کے ذہنوں میں عمدہ پھلوں اور پھولوں کی بہار بن کر ثمرات اور خوشبو کی بارش برسا سکتے ہیں خصوصاً اس حسن وجمال کی فضا میں جو لغت قرآن کا امتیاز ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

صرف ونحو کو عربی زبان سے علیحدہ کرکے پڑھانا غیر فطری امر ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

اس اصول کو مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے بھی واضح کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

دوسری حقیقت یہ ہے کہ زبان کے قواعد کو زبان سے علیحدہ کرکے مجرد علمی طریقہ پر پڑھانا غیر فطری امر ہے۔ قواعد بغیر مشقوں اور جملوں اور عبارتوں کے نہ ذہن نشین ہو سکتے ہیں نہ جاگزیں، دنیا کی تمام زبانوں کے قواعد (صرف ونحو) مشق اور مثالوں سے پڑھائے جاتے ہیں اور ان کو عملی طور پر ذہن نشین کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں عرصہ دراز سے صرف ونحو کو زبان سے الگ کرکے پڑھایا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ شرح جامی اور شروح الفیہ تک پہنچ جانے والے اور ادہر شافیہ اور اس کے شروح تک عبور کرنے والے جو طلباء نحو وصرف کے دقائق اور باریکیاں جانتے ہیں نہ صحیح لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں، اور بعض اوقات عبارت تک غلط پڑھتے ہیں یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے پیراکی کا فن پانی سے باہر سیکھا ہے جب ان کو دریا میں گھسنے کا موقع ملتا ہے تو اصول شناوری جو انہوں نے نظری طور پر سیکھے تھے کچھ کام نہیں آتے۔ (پیش لفظ تمرین الصرف، ص:۴، ۵)

تعلیم وتربیت کے اسی اہم اصول کو مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر واضح کرتے ہیں اور اسے نظر انداز کرنے کے مضر اثرات ونتائج کی تشریح یوں کرتے ہیں:

''دوسری حیثیت یہ ہے جو اگرچہ ثانوی ہے مگر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ یہ عربی زبان عہد رسالت اور ابتدائے اسلام میں بھی ایک زندہ زبان تھی۔ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایک زندہ زبان رہی ہے اور اس زمانے میں بھی یہ ایک زندہ اور ترقی یافتہ زبان ہے جو تمام لسانی ضرورتوں کو پورا کرنے اور اظہار خیال کا ذریعہ بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے اور جو قرآن کی بدولت اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے۔ اس حیثیت کا فطری تقاضا ہے کہ ہمارا اس سے تعلق بھی ایک زندہ اور عملی تعلق ہو۔ ہم اس کو ایک وسیع انسانی زبان کی طرح جانتے ہوں، اس میں بے تکلف اظہار خیال کرسکتے ہوں، اس کو تقریر وتحریر میں استعمال کرسکتے

ہوں۔ وہ ہماری تصنیفات، خط وکتابت اور مجالس کی زبان بن سکتی ہو۔ یہ ایک بڑی تعجب خیز اور نا قابل فہم بات ہے کہ کوئی فرد یا جماعت اپنی زندگی کا ایک معتد بہ حصہ اور اپنی ذہنی صلاحیتیں ان علوم وتصنیفات کے درس ومطالعہ میں صرف کرے جو عربی زبان میں لکھی گئی ہیں، لیکن اس زبان میں اظہار خیال سے بالکل معذور وقاصر ہو۔ زبانوں کے سلسلے کا یہ بالکل انوکھا تجربہ ہے جو صرف ہندوستان کے عربی مدارس اور علمی مجالس کی خصوصیت ہے۔

اس معذوری کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان کو جس کی بدولت ہم اسلام سے علمی تعلق پیدا کرتے ہیں، کبھی زبان کی حیثیت سے پڑھنے پڑھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس کو بھی ایک نظری علم اور ایک کتابی فن کی حیثیت سے دیکھا گیا اور صرف کتابوں کے سمجھنے کا ذریعہ سمجھا گیا، اس ذہنیت اور نقطہ نظر کا نتیجہ یہ ہے کہ کبھی اس کی عملی مشق اور تحریر وانشاء کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اور اس کا انجام یہ ہے کہ ہمارے بہت سے فضلاء مدارس اپنی دوسری صلاحیتوں کے ساتھ عربی زبان میں چند سطریں لکھ لینے یا چند منٹ گفتگو کر لینے پر قادر نہیں، خصوصاً جب کہ یہ تحریر یا گفتگو عام زندگی یا روز مرہ کی ضرورت سے متعلق ہو اور خالص دینی یا علمی بحث میں محدود نہ ہو، یہ کمی اہل نظر کو پہلے بھی محسوس ہوتی تھی لیکن اب جب کہ عربی ممالک کے فضلاء سے اختلاط اور اجتماع کے زیادہ مواقع پیدا ہو گئے ہیں اور دینی خدمت کا میدان زیادہ وسیع ہو گیا ہے یہ کمی زیادہ شدت سے محسوس کی جانے لگی ہے۔'' (مقدمہ معلم الانشاء، حصہ اوّل، ص:۸،۹)

دوسرا اصول: صرف ونحو کی تدریس کے دوران عملی تربیت کا جامع اہتمام کیا جائے۔

بچوں کو ان کے مختلف تعلیمی مراحل کے دوران صرف ونحو کی معلومات، گردانوں اور قواعد کے عملی استعمالات کی ایسی مؤثر مشق اور تربیت کا اہتمام کیا جائے کہ یہ قواعد عربی عبارتوں کے فہم کے ساتھ ان کی صحیح قراءت، صحیح تحریر اور صحیح بول چال سکھانے کا ذریعہ بنیں، اور بچے ان کی تعلیم وتدریس کے دوران عربی کلمات اور محاوروں کا معقول ذخیرہ سیکھیں۔ اس طرح ان کی زبان وقلم پر صحیح عربی جملے، محاورے اور عبارتیں رواں دواں ہوں اور وہ آسانی اور روانی سے عربی زبان لکھ بول سکیں اور یہ نظر آئے کہ بچے عربی زبان کی اچھی اور معیاری تعلیم وتربیت حاصل کر رہے ہیں۔ نصاب تعلیم کے ان مقاصد کو مزید واضح کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ صرف ونحو کی تعلیمی کتاب میں عربی زبان کی مثالوں اور مشقوں کی تحریر اور ترتیب میں تین امور کو مدنظر رکھا جائے۔

۱: ان مثالوں اور مشقوں کی زبان مستند اور معیار ہو، جس کی بہترین صورت یہ ہے:

(۱) کہ ان میں افصح الکتب قرآنِ کریم کی آیات کریمہ (۲) احادیث نبویہ ﷺ (۳) مشہور عرب شعراء کے آسان اور عمدہ اشعار اور حکماء وعلماء کے اقوال، حکم، قصص سے اقتباسات وغیرہ کو شامل کیا جائے۔

۲: تربیت مثالیں اور مشقیں بچے کے اپنے ماحول سے ماخوذ اور متعلق ہوں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان تربیتی مشقوں میں زیر تعلیم بچوں کے اپنے دینی اور معاشرتی ماحول (عقیدہ، گھر، درس گاہ، معاشرے، رشتہ داروں وغیرہ) سے متعلق صحیح اور معیاری جملوں، محاوروں، مثالوں، اور عبارتوں کو شامل کیا جائے، تاکہ بچے اس مستند اور معیاری عربی ذخیرہ لغت سے واقف ہو کر اسے اپنے ماحول میں پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی مشق کرتے ہوئے عربی کو ایک زندہ اور مستعمل زبان کی طرح سیکھیں۔

۳: معیاری مثالوں اور مشقوں کی تعداد زیادہ ہو اور قواعد کم ہوں۔ پھر اسباق اور مشقوں میں تنوع ضروری ہے کہ کہیں

(۱) اردو سے عربی ترجمہ، (۲) عربی سے اردو ترجمہ، (۳) خالی جگہ پر کرنا، (۴) کہیں تصحیح اغلاط، (۵) کہیں متفرق اجزاء یا کلمات کو

ملاتے ہوئے مرکبات اور جملے بنانا، (۶) مرکبات اور جملوں پر اعراب، (۷) متضاد کلمات کی تحریر، (۸) قرآنِ کریم اور حدیث شریف کی عبارتوں اورمحاوروں کا تعارف، (۹) نحو وصرف کے قواعد کی تطبیقات، (۱۰) متنوع معروضی سوالات (۱۱) سیرت رسول ﷺ سے واقعات، (۱۲) صحابہ کرام ﷢، امت کے قائدین اور علماء کی نصیحت آموز کہانیاں، (۱۳) چیدہ اور عمدہ عربی اشعار (۱۴) سبق آموز واقعات، (۱۵) تعلیمی لطائف وغیرہ۔

۴: نصابی کتابوں میں مصنوعی اور فرضی مثالوں کو درج نہ کیا جائے۔ مثلاً:

جاء زيدٌ، ورأيتُ زيدًا، مررت بزيدٍ ......

وغیرہ کہ ایسے سب بے مقصد جملے ہیں اور ان سے فوائد حاصل نہیں ہوتے بلکہ تعلیم وتربیت کے میدان میں بچوں کے ذہنوں پر منفی اثرات ڈالتے ہیں اور انہیں عربی زبان کے صحیح استعمالات اور محاوروں سے محروم رکھتے ہیں۔

تیسرا اصول: کمسن بچوں کو پورے فن کی تدریس نہ کی جائے بلکہ تدریج کا خیال رکھا جائے:

بچوں کو صرف ونحو کی تعلیم وتدریس میں تدریج اور آسانی کو ملحوظ رکھا جائے اور پہلے ہی سال یا سالوں میں پورے فن یا فن کے زیادہ مسائل ومباحث کو پڑھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ بلکہ پہلے اور دوسرے تعلیمی سال میں اس فن کے صرف کچھ یعنی تھوڑی سی بنیادی، آسان اور ضروری معلومات کی تعلیم پر اکتفا کیا جائے اور ان کی تعلیم کی زبان اور طرز بیان اتنے سادہ اور آسان ہوں کہ کم سن بچے انہیں آسانی سے پڑھیں اور سمجھ لیں۔ اسی طرح تدریس کے دوران فن کی عملی مشق اور تربیت کا مواد، مثالیں اور جملے بھی سادہ اور عام فہم ہونے چاہیے اور یہ بھی ضروری ہے کہ عملی مشق کے مواد اور جملوں کا زیر تعلیم بچوں کے اپنے ماحول، گھر، درس گاہ، عقیدے اور مشاغل سے گہرا تعلق ہو۔

پھر دوسرے اور تیسرے سال باقی مسائل اور مباحث کی ایسی مفصل تدریس کرائی جائے جس کے دوران مستند اور معیار مثالوں اور مشقوں کے ذریعے عربی زبان وادب کے استعمالات کی مؤثر تعلیم وتربیت کا اسلوب جاری رکھا جائے۔

عرب ممالک کے نصاب تعلیم میں پرائمری سکول کے آخری دو سالوں یعنی جماعت پنجم اور جماعت ششم اور مڈل سکولز کے تین سالوں تک اس مضمون کی تعلیم وتدریس اس طرح ہوتی ہے کہ عربی زبان کے صرف ابتدائی قواعد اور عام معلومات پڑھائی جاتی ہیں جن میں خط اور املا بھی شامل ہوتا ہے، اور اس مضمون کی کتاب کا نام عموماً **قواعد اللغة العربية** یا **مبادی قواعد اللغة العربية** (Basic Arabic Grammar) ہوتا ہے (یعنی کمسن بچوں کو اس فن کے نام کا تعارف کرانا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔)

الغرض مڈل کی سطح تک اس کے صرف چند اور محدود بنیادی مسائل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بعد ازاں ثانوی تعلیم کے مرحلے پر اس کی درسی کتاب کا نام **مادة النحو والصرف** یا **کتاب النحو والصرف** ہوتا ہے اور فن کی مفصل تدریس ہوتی ہے۔ اور وہ بھی اس نہج پر جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔

چوتھا اصول: ہر خود مختار ملک کا اپنا مستقل نظامِ تعلیم اور نصاب ہونا چاہیے:

نحو وصرف کے معیاری ومفید نصاب اور طریقہ تدریس کا ایک اہم اور بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ عربی کو ایک زندہ، عملی اور ترقی یافتہ زبان کی طرح پڑھانے کا اہتمام کرے اور تربیت دے۔ اس تقاضے کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہر خود مختار ملک ومعاشرے کا اپنا الگ اور مستقل نظام تعلیم ہو جس میں قرآنِ کریم اور حدیث شریف سے استفادے کے علاوہ امت کے اسلاف کے علمی وتہذیبی ورثے سے استفادے کے ساتھ ساتھ ملک کے بنیادی نظریے اور تقاضوں کی ترجمانی ہو اور زیر تعلیم بچے اپنے ملک اور ماحول کی تاریخ، حالات اور واقعات پر مہارت کے ساتھ لکھ بول سکتے ہوں اور بوقت ضرورت اس کے استحکام اور دفاع اور اپنے شہریوں کی خدمت کا

فریضہ انجام دے سکتے ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی خودمختار ملک اور معاشرے اور اس کے نظام تعلیم کے درمیان زمان ومکان کے زیادہ فاصلے ومسافت حائل نہیں ہونی چاہیے، خصوصاً آج کے سرعت اور تیزی سے ترقی کرنے والے ممالک اور معاشروں میں قدیم یا غیر ملکی نصاب پر اصرار کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

پانچواں اصول: درسی کتابوں میں مثالوں اور عبارتوں کی مکمل تشکیل نہ کی جائے:

جب صرف ونحو کی تدریس کا اصل مقصد طلباء کو اس فن کے قواعد اور معلومات کی عملی تربیت دینا اور مشق کرانا ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ اس تربیت اور مشق کا آغاز ان قواعد کی اپنی درسی کتاب سے کیا جائے اور زیر تعلیم بچوں کو اس کی مثالوں اور عبارتوں کی صحت نطق اور صحت اعراب کے ساتھ پڑھنے کا اچھا موقع دیا جائے۔ اس لیے عربی زبان اور صرف ونحو کی درسی کتابوں کی عبارتوں کی مکمل تشکیل نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ ابتدائی درجوں کے بعد کے تعلیمی مرحلوں کی درسی کتابوں کی تشکیل تدریجاً کم کردینی چاہیے تاکہ بچے خود اپنی محنت اور مشقت سے انہیں صحت کے ساتھ پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی صلاحیت حاصل کریں اور ان میں خود اعتمادی پیدا ہو، اور وہ اپنی ذاتی جدوجہد اور مہارت کی بنیاد پر ترقی کریں۔



یادِ رفتگاں

شیخ الحدیث حضرت مولانا عطاء الرحمٰن اشرف رحمہ اللہ کی باتیں

عبدالحنان جانباز

۲۵ جنوری ۲۰۱۱ء بروز منگل رات گئے سیالکوٹ شہر کے معروف دینی ادارہ جامعہ رحمانیہ المعروف جامعہ ابراہیمیہ ناصر روڈ سیالکوٹ کے نائب شیخ الحدیث حضرت مولانا عطاء الرحمٰن اشرف رحمہ اللہ انتقال فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون۔) اگلے دن ۲۶ جنوری بروز بدھ بعد از نمازِ ظہر ۲ بجے جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ کی گراونڈ میں عین اس جگہ جہاں موصوف سالہا سال سے عیدین کی نمازیں پڑھایا کرتے تھے، کی نماز جنازہ فرزند شہید ملت حافظ ابتسام الٰہی ظہیر حفظہ اللہ نے پڑھائی۔

آپ ایک خوش شکل، خوش الحان، گول چہرے، موٹی مسکراتی آنکھوں اور فربہی جسم کی خوب صورت باوقار ایمان پرور پرکشش شخصیت اور بے شمار خوبیوں کے مالک انسان تھے۔ مسکراتے تو آنکھیں چمکتی، گال کھل اٹھتے اور جسم لہلاتا۔ آپ ایک کامیاب مدرس وخطیب اور خدمت دین کے لیے ہر وقت مستعد، ذہانت وظرافت کے نفیس طبع انسان تھے۔ آپ کی خدمات دین کا دورانیہ کم وبیش پچاس سال پر محیط ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ کے دیرینہ ساتھی تھے، دونوں بزرگ سیالکوٹ میں شیخین کے نام سے معروف تھے، عمر میں مولانا جانباز رحمہ اللہ دو سال بڑے تھے، ان کی وفات کے ٹھیک دو سال بعد مولانا عطاء الرحمٰن اشرف رحمہ اللہ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے یوں دونوں دوست جنت کے مہمان بن گئے۔
(ان شاء اللہ)

ایام علالت میں دلجوئی کے لیے پرانی یادیں دھرانے کی گزارش کرتا تو خوشی سے مان جاتے، آج وہی باتیں نذر قارئین ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عطاء الرحمٰن اشرف رحمہ اللہ کے والد محترم مولانا امام الدین مرحوم موضع کنگ بلگن، تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے، عمر کی جب چودہ پندرہ بہاریں گزر گئیں تو اپنے ہی شوق کے تحت دینی تعلیم کی طرف مائل ہوئے اور قریبی گاؤں بمبانوالہ اور گوجرہ میں مولانا عبداللہ مرحوم سے ترجمہ قرآن وحدیث اور عربی گرامر کی تعلیم کا فیض پایا، بعدازاں تبلیغ دین کا آغاز بھی اپنے قریبی گاؤں موضع برج آرائیاں سے کیا، آپ کی دینی وتبلیغی کاوشوں کے نتیجہ میں گاؤں کا ایک بہت بڑا ہندو خاندان مشرف بہ اسلام ہوا، اس خاندان کے زیادہ تر افراد ناخواندہ تھے، مولانا امام الدین مرحوم نے ان کے اسلامی ناموں کی پرچیاں لکھ کر ان کی جیبوں میں رکھوائی ہوئی تھیں، اس کے باوجود وہ اپنا نام مولانا موصوف سے ہی پوچھنے آتے تھے۔

۱۹۵۲ء میں مولانا امام الدین مرحوم اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر سیالکوٹ شہر میں آگئے، اور دینی خدمات کا آغاز جامع مسجد اہل حدیث المعروف قاضیاں محلّہ دھاروال سے کیا۔

۳۷ سال تک اسی مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے ۱۹۸۹ء میں انتقال فرما گئے، موصوف امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کے شاگرد مولانا محمد ابراہیم ریاستی رحمہ اللہ مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ اور مولانا حافظ محمد شریف سیالکوٹی رحمہ اللہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ سیالکوٹ شہر میں مولانا امام الدین مرحوم کی دینی، تبلیغی اور تنظیمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، جس کے تذکرہ کے بغیر شہر سیالکوٹ میں مسلک اہل حدیث کی تاریخ یقیناً ادھوری ہے۔

"العلماء ورثة الأنبياء" کی سنت کو قائم رکھتے ہوئے مولانا

امام الدین مرحوم نے اپنے چار بیٹوں میں سے دو کو دینی تعلیم سے آراستہ کر کے خدمت دین کے لیے وقف کر دیا، ان میں سے ایک کا نام مولانا ثناء اللہ مرحوم تھا جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ گوجرانوالہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ رحمہ اللہ گوجرانوالہ کے شاگرد تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد زندگی کا زیادہ حصہ جامع مسجد اہل حدیث ٹبہ سکے زئیاں سیالکوٹ میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے گزار دیا اور اسی خدمت کے دوران خالق حقیقی سے جا ملے، اپنے علمی ذوق کے مطابق مسجد مذکور میں انہوں نے ایک لائبریری بھی قائم کر رکھی تھی، جس سے علاقہ کے اہل علم آج بھی فیض یاب ہو رہے ہیں۔

مولانا امام الدین مرحوم کے دوسرے صاحب علم بیٹے کا نام مولانا عطاء الرحمٰن اشرف تھا، شیخ الحدیث حصرت مولانا عطاء الرحمٰن اشرف رحمہ اللہ اپنے بارے میں بتاتے ہیں:

مولد ومسکن:

۱۸ فروری ۱۹۳۸ء بروز جمعۃ المبارک موضع برج آرائیاں تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوا۔

تعلیم وتربیت:

پانچویں تک تعلیم اپنے ہی گاؤں میں حاصل کی، گھریلو دینی رجحان کی بنا پر والد صاحب کے حکم پر بھائی ثناء اللہ صاحب نے مجھے ۱۷/اگست ۱۹۵۲ء میں مدرسہ منانیہ محدث پنجاب شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ کی مسجد میں داخل کروا دیا، ان دنوں یہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ مظفر گڑھی رحمہ اللہ استاد تھے، دوران تعلیم میں نے ان سے خوب استفادہ کیا۔

۱۹۵۴ء میں تحریک ختم نبوت زوروں پر تھی، اسی تحریک کے دوران مولانا محمد عبداللہ مظفر گڑھی رحمہ اللہ گرفتار کر لیے گئے اور یہ مدرسہ بند ہو گیا، تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنے کے لیے میں جامعہ اسلامیہ حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ میں داخل ہو گیا اور صحیح مسلم تک درس نظامی کی تعلیم یہاں رہ کر حاصل کی، بعد ازاں آخری کلاس کے لیے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۸ء میں وہاں سے سند فراغت حاصل کی۔

دوران تعلیم میں ایک مستعد اچھے حافظہ کا مالک اور اپنے ہم جلیسوں میں صاحب اعزاز طالب علم تھا، دوران تعلیم ایک دفعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ نے امتحان لیا تو میں مدرسہ بھر میں اوّل پوزیشن رہا، اسی طرح ۱۹۵۷ء میں جب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ بڈھیمالوی رحمہ اللہ نے امتحان لیا تو میں مدرسہ بھر میں دوسری پوزیشن پر رہا۔

اساتذہ کرام:

مختلف تعلیمی ادوار کے اعتبار سے درج ذیل اساتذہ کرام سے اخذ فیض کیا:

۱: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ مظفر گڑھی رحمہ اللہ
۲: استاذ الاساتذہ امام العصر حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ
۳: شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی رحمہ اللہ
۴: حضرت مولانا محمد نذیر رحمہ اللہ
۵: حضرت مولانا محمد عبداللہ میر پوری رحمہ اللہ
۶: حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ
۷: حضرت مولانا حافظ خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ گوجراں والا
۸: مولانا امان اللہ خان رحمہ اللہ گوجراں والا
۹: مولانا محمد شریف اللہ خان سواتی رحمہ اللہ
۱۰: مولانا پروفیسر غلام احمد حریری رحمہ اللہ

دوران تعلیم دلچسپ واقعات ومعلومات:

۱۹۵۲ء میں جب مدرسہ منانیہ وزیر آباد میں داخلہ لیا تو مجھ سے پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ وہاں زیر تعلیم تھے، ان کا دوسرا اور میرا پہلا سال تھا، دوران تعلیم مولانا جانباز رحمہ اللہ وزیر آباد میں اسٹیشن والی مسجد میں ایک بریلوی عالم مولوی عبدالغفور

صاحب کے پاس حافظ سعدی شیرازی کی گلستان اور بوستان پڑھنے جاتے تھے، اسی طرح ایک دیوبندی عالم مولوی محمد رمضان صاحب سے صرف ونحو کے قواعد بھی پڑھتے تھے، وقت زیادہ اور مصروفیت کم ہونے کی وجہ سے میں بھی اکثر ان کے ساتھ چلا جاتا تھا۔

۱۹۵۴ء میں تحریک ختم نبوت پورے زور وشور سے جاری تھی کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ مظفر گڑھی رحمہ اللہ کو گرفتار کرلیا گیا، ساتھ ہی مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ بھی گرفتار ہوگئے، مجھے گول مٹول گھپلا سا بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا، مولانا جانباز رحمہ اللہ کو تو جلد رہا کردیا گیا مگر مولانا محمد عبداللہ مظفر گڑھی رحمہ اللہ کی لمبی گرفتاری ڈال دی گئی۔

گوجراں والا میں دورانِ تعلیم میری رہائش ٹاہلی والی مسجد میں تھی، میں وہاں سے روزانہ صبح محلّہ اسلام آباد جاتا اور اساتذہ کی خدمت گزاری کے لیے ان کی چائے کے لیے دودھ لاتا، جس کے لیے میں روزانہ تین سے چار کلومیٹر پیدل سفر کرتا تھا۔ گوجراں والا میں دورانِ تعلیم میرا اور مولانا فاروق احمد راشدی صاحب کا مقابلہ رہتا تھا، اپنی جماعت میں کبھی میں اور کبھی مولانا راشدی صاحب اوّل آتے، یہ سلسلہ منتہی کلاسوں تک جاری رہا، اسی دوران حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے میری خواہش پر مجھے عربی ادب کی کتاب قطف الازہار پڑھائی حالاں کہ ایسی چھوٹی چھوٹی کتابیں آپ کبھی نہیں پڑھاتے تھے، حضرت کی یہ شفقت میرے لیے زندگی بھر کا اعزاز بن گیا۔

دورانِ تعلیم مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ مجھ سے ایک درجہ آگے تھے، جس سال میں نے مسلم شریف پڑھی تھی اسی سال مولانا جانباز رحمہ اللہ نے حضرت العلام حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے بخاری شریف پڑھی اور سند فراغت حاصل کرلی۔ عین اسی سال جماعتی فیصلہ کے مطابق حضرت حافظ گوندلوی رحمہ اللہ کی خدمات جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے لیے لے لی گئیں، مولانا جانباز رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ حضرت حافظ گوندلوی رحمہ اللہ سے دوبارہ درس بخاری لیا جائے کہ ایک سال میں درس بخاری کا حق ادا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کے اصرار سے میں بھی تیار ہوگیا اور یوں ۱۹۵۷ء میں ہم بذریعہ ریل گاڑی جامعہ سلفیہ فیصل آباد وارد ہوئے۔ ایک دوست کا بے لوث اصرار میرے لیے زندگی بھر کی سعادت بن گیا۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں دورانِ تعلیم میں نے اپنے کمرہ کے سامنے پانی کے حوض کے قریب کھیتی باڑی کے لیے ایک چھوٹی سی کیاری بنا رکھی تھی جس میں کپاس وکماد کے چند پودے اور کریلہ (سبزی) کی چند بیلیں لگا رکھی تھیں، کپاس کے پودے جب تیار ہوئے تو ان کی روئی سے میں نے اپنا سرہانا تیار کرلیا، جب بیلوں کو کریلے لگنا شروع ہوئے تو میں روزانہ صبح ایک تروتازہ کریلہ دھو کر حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کو پیش کرتا، آپ اپنی جیب سے چھوٹا سا خوب صورت چاقو نکالتے، نہایت نفاست سے اس کی لمبی کاشیں کاٹتے اور کچا ہی نوش جاں فرماتے اور خوش ہوتے۔ حضرت العلام حافظ گوندلوی رحمہ اللہ چوں کہ مستند طبیب بھی تھے اس لیے تازہ اور کچے کریلے کی افادیت سے خوب آگاہ تھے۔

۱۹۵۸ء میں جب مجھے جامعہ سلفیہ سے سند فراغت ملی اسی سال میں نے فاضل عربی کا امتحان بھی پاس کیا، یاد رہے جامعہ سلفیہ کی تاسیس کے بعد سند فراغت پانے والے اوّلین طلباء میں ہمارا شمار ہوتا ہے، اسی سال فیلڈ مارشل محمد ایوب خان (سابق صدر پاکستان) نے ملک میں مارشل لاء لگایا، اس وقت تک مجھے علم نہ تھا کہ مارشل لاء کیا چیز ہوتی ہے۔

جامعہ اسلامیہ گوجراں والا میں روایت تھی کہ مدرسہ بھر میں اوّل پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم کو بیس روپے انعام دیا جاتا تھا، ایک دفعہ جب میں بھی اس انعام کا حق دار ٹھہرا تو استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی رحمہ اللہ نے مجھے خصوصی طور پر نصیحت فرمائی! ان پیسوں کو ضائع مت کرنا بلکہ ان سے کتابیں خرید لینا۔ ۵۴-۱۹۵۳ء میں روپے کی بڑی قدر تھی، مجھے بیس روپے کی بجائے پندرہ روپے دیئے گئے کہ تم ابھی بہت چھوٹے ہو اور یہ

پیسے بہت زیادہ ہیں۔

جامعہ سلفیہ سے سند فراغت کے موقع پر ساتھیوں نے تجویز دی کہ کچھ پیسے جمع کر کے حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کے لیے رومال، پاپوش اور کپڑے خریدے جائیں وہ نہایت غربت کا زمانہ تھا۔ ہمارے ایک ساتھی کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ وہ بھی حصہ دار بن سکتے، جس کا انہیں بہت افسوس تھا۔لیکن بعد میں انہوں نے اس کا بہت اچھا حل تلاش کرلیا۔ جیسے ہی بعد میں انہیں ملازمت ملی وہ باقاعدگی سے حضرت حافظ صاحب گوندلوی رحمہ اللہ کے ہاں حاضری دیتے جو خالی ہاتھ نہ ہوتی تھی اور یہ سلسلہ حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ کی رحلت تک برابر جاری رہا۔ اب وہ دوست بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

سند فراغت والے سال ہی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ رحمہ اللہ نے مجھے اور مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ کو جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں بطور مدرس خدمات سرانجام دینے کی پیش کش کی، جسے میں نے گھر سے دوری کی بنا پر مسترد جب کہ مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ نے گھر سے نزدیک ہونے کی وجہ سے قبول کرلیا۔

عملی زندگی کا آغاز:

جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ سیالکوٹ کے مختلف ثانوی مدارس میں تدریسی اور مختلف مساجد میں تبلیغی خدمات سرانجام دیں۔ امام العصر مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت مولانا حافظ محمد شریف سیالکوٹی رحمہ اللہ نے مجھے مرکزی جامع مسجد اہل حدیث پل ایک میں اپنی غیر موجودگی میں نماز اور درسِ قرآن کی ذمہ داری سونپ دی۔ کچھ عرصہ یہ ذمہ داری نبھانے کے بعد ایک دن فرمانے لگے آپ جامع مسجد اہل حدیث ڈپٹی باغ محلّہ سالوگجر سیالکوٹ میں درسِ نظامی کی کتب پڑھایا کریں، میرے اظہار رضامندی پر بہت خوش ہوئے اور اگلے ہی دن درسِ نظامی کی نصابی کتب خریدنے کے لیے مجھے ساتھ لے کر لاہور آ گئے۔ لاہور میں سب سے پہلے شیش محل روڈ پر واقع مدرسہ تقویۃ الاسلام میں امیر جماعت ولی کامل حضرت مولانا سیّد داؤد غزنوی رحمہ اللہ سے ملے پھر اردو بازار گئے، جہاں سے ۵۰۰ روپے کی درسی کتب خریدیں جنہیں لاری اڈا تک پہنچانے کے لیے ریڑھے کی ضرورت پڑی۔

حافظ محمد شریف سیالکوٹی رحمہ اللہ نے پہلے ہی سال مجھے الفیہ امام ابن مالک،سنن نسائی، جامع البیان، سراجی اورتفسیر بیضاوی پڑھانے کا حکم دے دیا۔ میں نے کہا: حافظ صاحب! یہ بڑی کتب ہیں جو کہ پرانے استاد ہی پڑھاتے ہیں، فرمانے لگے: آپ کونہیں معلوم ...... آپ کی پڑھائی ابھی تازہ ہے جو آپ کو از بر ہے انہیں پڑھے ہوئے عرصہ بیت گیا ہے۔ لہٰذا آپ ہی پڑھائیں گے۔ میں نے پڑھانا شروع کردیا مگر وہ مدرسہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا اور جلد ہی بند ہوگیا۔

اس کے بعد ۱۹۶۱ء میں جامع مسجد ابراہیمی میانہ پورہ تحصیل بازار سیالکوٹ میں حاجی شیخ خدا بخش مرحوم کی نظامت میں مدرسہ کا آغاز ہوا، اس کی زندگی کا دورانیہ بھی پانچ سال سے زیادہ نہ ہوسکا، کیوں کہ جب حاجی شیخ خدا بخش مرحوم نے ۱۹۶۵ء میں مدرسہ کی نظامت سے اپنا دست شفقت اٹھا لیا تو یہ مدرسہ بھی بند ہوگیا۔ اسی عرصہ کے دوران پروفیسر حافظ ساجد میر صاحب نے مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ اور مجھ سے زانوئے تلمذ تہہ کیے، ان دنوں میری تنخواہ ۸۰ روپے اور مولانا جانباز رحمہ اللہ کی تنخواہ ۹۰ روپے تھی۔ ایک دفعہ جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجراں والا میں مجلس عاملہ یا شوریٰ کے اجلاس میں حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری رحمہ اللہ نے بتایا کہ جامع مسجد اہل حدیث باغ ڈپٹی میں آپ کی تدریسی خدمات کے دوران میں نے بھی آپ سے کسبِ فیض پایا تھا۔

مستقل خطابت وعملی مشاغل:

۱۹۶۵ء میں برادری شیخاں نے محلّہ مجید پورہ ریلوے روڈ سیالکوٹ میں ایک مسجد تعمیر کروائی، جس کا سنگ بنیاد امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید مولانا محمد ابراہیم ریاستی رحمہ اللہ نے رکھا تھا، انہی کے حسب ارشاد میں نے امامت وخطابت کی ذمہ داری قبول کی جو آج تک الحمد للہ جاری ہے۔

جامع مسجد ابراہیمی میانہ پورہ میں مدرسہ بند ہونے کے سب سے بڑے متاثرین میں سے میں اور مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ تھے۔ مولانا جانباز رحمہ اللہ ۱۹۶۲ء سے جامع مسجد اہل حدیث محلّہ لاہوری شاہ ناصر روڈ سیالکوٹ میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ ان کی دلچسپی اور کاوش سے مسجد انتظامیہ مدرسہ کے اجراء پر راضی ہوگئی۔ مختصر تعطل کے بعد طلباء کو دوبارہ اکٹھا کیا گیا، یوں ۱۹۶۵ء میں درس وتدریس کا یہ سفر دوبارہ بلکہ سہ بارہ شروع ہوا تو بلا تعطل آج تک جاری وساری ہے۔

۲۰۰۸ء میں مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد میں بھی اب کمزور ہوگیا ہوں۔ ادارہ جامعہ رحمانیہ سے تعلق اگرچہ اسی طرح برقرار ہے البتہ تدریسی سرگرمیاں آج کل معطل ہیں۔

جامعہ رحمانیہ المعروف جامعہ ابراہیمیہ ناصر روڈ سیالکوٹ میں تدریسی خدمات کے علاوہ گزشتہ اٹھارہ سال سے جامع مسجد اہل حدیث محلّہ شہاب پورہ سیالکوٹ میں نمازِ فجر کے بعد تدریس تفسیر وحدیث کا سلسلہ جاری ہے۔ فیصل اسلامک سنٹر ماڈل ٹاؤن میں ۲۰۰۴ء سے خواتین کے لیے فہم قرآن کورس بھی چل رہا ہے۔ جامع مسجد اہل حدیث مظہر الاسلام ڈیفنس روڈ سیالکوٹ میں نمازیوں کو بلوغ المرام سبقاً پڑھائی ہے اور کچھ عرصہ سے بخاری شریف کا درس بھی شروع کر رکھا ہے۔

تدریسی ذوق کے علاوہ عربی زبان وادب اور صحت تلفظ سے خصوصی شغف رہا ہے، ہمارے اکثر علماء اپنے وعظ وبیان میں اس کا التزام نہیں کرتے، غلط تلفظ سے ادا کیا گیا اور غلط تلفظ سے لکھا گیا حرف میری قوتِ سماعت وبصارت پر نہایت گراں گزرتا ہے۔ اس لیے اپنے شاگردوں کو خصوصاً اور دوست احباب کی عموماً اصلاح کرتا رہتا ہوں۔ کئی معروف کتب خانوں سے شائع شدہ کتب احادیث میری ہی پروف شدہ اور اصلاح کردہ ہیں، کسی مکتبہ نے ابواب الصرف کی پروف ریڈنگ بھی مجھ سے کرائی تھی۔

مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ کی کتاب ”انجاز الحاجه شرح سنن ابن ماجه“ سمیت مولانا کی جملہ کتب کی پروف ریڈنگ میں نے ہی کی ہے۔

اللہ ربّ العزت کے فضل واحسان سے ایک دفعہ حج بیت اللہ اور چار مرتبہ عمرہ کی سعادت بھی حاصل کر چکا ہوں۔ بہ ظاہر کوئی ایسی خواہش نہیں جو اللہ تعالیٰ نے پوری نہ کی ہو، تمام اولاد برسرروزگار ہے۔ میرا بیٹا محمد بن عطاء الرحمٰن میرے بعد میری ادھوری ذمہ داریوں کی تکمیل کا سبب بن سکتا ہے۔ آج کل کمزوری اور بیماری کی وجہ سے تمام سرگرمیاں معطل ہیں۔ کبھی جب طبیعت بحال ہوتی ہے اہل محلّہ کی خواتین کے پرزور اصرار پر انہیں تفہیم دین کے لیے ترجمہ قرآن پڑھا دیتا ہوں۔ خواہش ہے کہ جب تک جان میں جان اور جسم میں ہمت ہے تدریس دین کا سلسلہ یونہی چلتا رہے، آمین۔

نوٹ: اپنی اس کی ہوئی گفتگو کے ٹھیک ایک ماہ بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا عطاء الرحمٰن اشرف رحمہ اللہ ۲۵ جنوری ۲۰۱۱ء بروز منگل رات گئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ



سیرت تاج دارِ انبیاء کانفرنس

مرکزی جامع مسجد محمدی اہل حدیث محلّہ فضل آباد ملک وال ضلع منڈی بہاؤ الدین میں سیرت تاج دارِ انبیاء ﷺ کانفرنس ۱۳ مارچ ۲۰۱۱ء بروز اتوار بعد نماز عشاء منعقد ہوگی۔ مولانا محمد نواز چیمہ، عبدالرحمان خلیق، محمد یحیٰ واہلہ ودیگر حضرات خطاب کریں گے۔

(مولانا) محمد یٰسین صدیقی

خطیب مسجد ہذا واراکین مرکزی جمعیت اہل حدیث



موعظت وعبرت

کام چھوٹے انعام بڑا

قاری لیاقت علی باجوہ فیروز پوری (سیالکوٹ)

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص نے راستے میں کانٹوں والی ٹہنی پڑی دیکھی اس نے کہا واللہ میں اسے مسلمانوں کے راستے سے ہٹا دوں گا تا کہ انہیں تکلیف نہ پہنچے "فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ" اس عمل پر وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔'' (مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل ازالة الاذی عن الطریق)

چھوٹے چھوٹے کام کر کے مثلاً رستے سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا کر انسان جہنم سے بچ سکتا ہے اور جنت میں داخل ہوسکتا ہے۔

سنن ابی داؤد میں سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک آدمی نے کبھی کوئی نیکی کا عمل نہیں کیا تھا اس نے کانٹے دار ٹہنی راستہ سے ہٹا دی اللہ نے اس کی نیکی کی قدر کی اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔'' (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی اماطة الاذی عن الطریق، رقم: ٥٢٤٥)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

وَتَمِيْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَة.

(مسلم، کتاب الزکاة، رقم: ٢٢٣٤)

''تکلیف دہ چیز رستے سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔''

صحیح بخاری میں آپ کا ارشاد ہے رستے سے اذیت دہ چیز کا ہٹا دینا صدقہ ہے۔ (بخاری، کتاب المظالم)

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی جا رہا تھا اس نے راستے میں ایک کانٹے دار ٹہنی پڑی دیکھی اس نے اسے اٹھا کر پھینک دیا فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس کام کی قدر کی اور اسے بخش دیا۔ (بخاری، کتاب المظالم)

راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا ایمان کی ادنی شاخ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ایمان کی ستر (٧٠) سے اوپر کئی یا (٦٠) ساٹھ سے کئی زیادہ شاخیں ہیں جن میں سے افضل شاخ لا الٰہ الا اللہ اور اس کی ادنی شاخ رستے سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا ہے۔ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ ''اور حیا ایمان ہی کا ایک شعبہ ہے۔'' (مسلم، کتاب الایمان)

سیّدنا ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر روز جب آفتاب نکلتا ہے انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوتا ہے دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ ہے اور کسی کی اتنی مدد کر دینا کہ اسے سواری پر سوار کرا دیا یا اس کا مال لدوا دیا یہ بھی صدقہ ہے اور اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے اور ہر وہ قدم جو نماز کو جانے کے لیے اٹھتا ہے وہ بھی صدقہ ہے اور تکلیف دہ چیز رستے سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔'' (مسلم، کتاب الزکاة، رقم: ٢٢٣٤)

راستے میں تکلیف دہ چیز رکھنا موجب لعنت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''دو لعنت والے کاموں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا وہ کون سے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَتَخَلّٰى طَرِيْقُ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ ''راستہ میں پاخانہ کرنا اور سایہ دار جگہ میں۔'' (مسلم، کتاب الطهارة، باب النهی عن التخلی فی الطریق والظلاء)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان ہے کہ جو شخص مسلمانوں کو ان کے

(باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر)

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

کتاب النکاح والطلاق (مترجم)

تصنیف: علامہ ابن رُشد
ترجمہ: ابوزلفہ نسیم
نظر ثانی: مولانا عبدالرشید تونسوی
ضخامت: ۲۴۰ صفحات
ناشر: دارالکتب السّلفیہ، اقراء سنٹر اردو بازار لاہور
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

علامہ ابن رُشد کی عربی کتاب ''بدایۃ المجتہد'' کی آسان اردو تشریح وترجمہ ''کتاب النکاح والطلاق'' کی صورت میں دارالکتب السّلفیہ نے شائع کیا ہے۔ نکاح وطلاق اور اس کی شرائط وضوابط کے سلسلے میں یہ کتاب بڑی مفید ابحاث پر مشتمل ہے۔ مذاہب اربعہ (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ) کے اقوال وطریقے مفصل بیان کر کے کتاب کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔

طلاق کا طریقہ ہمارے معاشرے میں جس طرح مروّج ہے اور مختلف مذاہب کے علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کو جیسے بیان کرتے ہیں بعض دفعہ اس میں ایسے اسقام واقع ہو جاتے ہیں کہ مسئلہ طلاق تو کیا حل ہونا ہوتا ہے اس سے کئی مسائل مزید پیدا ہو جاتے ہیں۔ معاشرتی طور پر ہمارے ہاں اکثر واقعات دین وشریعت سے لاعلمی اور ضابطہ اسلام سے دوری کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

نکاح ایک ایسا بندھن ہے جس سے دو خاندان آپس میں جڑتے ہیں اور ساری زندگی اپنے معاملات محبت واخوت سے نبھاتے ہیں۔ بعض دفعہ اس محبت میں فرق آ جائے تو یہ معاملات کے بگاڑ کا باعث بن کر نوبت طلاق تک چلی جاتی ہے۔ قسمت اگر یاوری کرے تو معاملات بگڑ کر سلجھ بھی جاتے ہیں اور شومئی قسمت سے ایسا نہ ہو سکے تو طلاق کی صورت میں دو خاندانوں کی محبت میں انقطاع واقع ہو جاتا ہے۔

اب ہمارے دانش مندانِ قوم اور مفتیانِ ذی شان کا فرض ہے کہ وہ قرآن وسنت کی واضح تعلیمات کو مدنظر رکھ کر مسائل لوگوں کو سمجھائیں۔ اگر خدانخواستہ مسئلے کے حل کے لیے قرآن وسنت کے برعکس فیصلہ کر دیا جائے یا طلاق کے حل کے لیے مروّجہ ''حلالہ'' تجویز کر دیا جائے تو بھی یہ مسئلہ بگڑ جاتا ہے۔ اس کی کئی امثلہ موجود ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں نکاح اور اس کی شرائط، حق مہر، نکاح کے ولی اور گواہان کی تقرری، نکاحِ تفویض اور اس کے احکام، زوجین کی ذمہ داریاں، حقوقِ زوجین، نکاحِ متعہ اور حلالہ کی تعریف پر مشتمل بحثیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ طلاق اور اس کی اقسام، حالت حیض میں دی گئی طلاق، جبری طلاق، خلع کا بیان، طلاق رجعی، بائنہ اور طلاق کے بعد رجوع جیسے سارے مسائل، عدت کی معرفت اور وضاحت کے علاوہ بہت سی قیمتی باتیں اس کتاب میں شامل ہیں۔

یہ کتاب علمائے کرام ومفتیانِ عظام کے لیے ایک تحفے سے کم نہیں ہے۔ کمپیوٹر کمپوزنگ، کارڈ کور ہے۔

بیانُ المختارات (مترجم)

تصنیف: علامہ سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ
ترجمہ: حافظ بلال اشرف
ضخامت: ۳۳۹ صفحات
ناشر: دارالکتب السّلفیہ، غزنی سٹریٹ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

علامہ سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ عالم اسلام کی ایک مایہ ناز علمی

وادبی شخصیت تھے۔ عالم اسلام میں آپ کسی تعارف وتبصرے کے محتاج نہیں ہیں۔ انہوں نے علم وادب کی جتنی خدمت سرانجام دی ہے وہ طلبائے علومِ اسلامیہ اور ادباء کے لیے مشعل راہ ہے۔ ان کی عربی تالیف ''مختارات من ادب العربی'' عربی ادب کے سلسلے میں بڑی مفید ہے۔ اس کے بعض تراجم کیے گئے ہیں۔ اور ادبِ عربی واردو کے طلبا بڑے شوق سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔

دارالکتب السّلفیہ لاہور نے بھی اس کا اردو ترجمہ حافظ بلال اشرف کے قلم گوہر بار سے لکھوا کر شائع کرایا ہے۔ اس ترجمے کی روانی اور مشکل الفاظ کی تشریح وغرض وغایت بھی آسان الفاظ سے کی گئی ہے۔ گویا یہ عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہے۔ اس کتاب کو ۳۳ اسباق میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر سبق ایک جید عالم، امام، استاذِ عربی اور معلم کا تحریر فرمودہ ہے۔ تحریر کرنے والے حضرات کا مختصر تعارف بھی حاشیے میں دیا گیا ہے۔ یہ کتاب مدارسِ دینیہ میں کلاسوں میں جاری کرنی چاہیے اور سبقاً طلباء کو پڑھانی چاہیے۔



شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد صاحب کی وفات

دارالعلوم تقویۃ الاسلام اوڈاں والا ضلع فیصل آباد کے نائب شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد ۲۴ جنوری ۲۰۱۱ء بروز جمعرات وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم مولانا خلیل احمد ایک کہنہ مشق استاذ تھے۔ خوش اخلاق اور ملن سار شخصیت تھے۔ کچھ عرصے سے علیل تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۴۷ء کو ہوئی۔ بے شمار طلباء علوم حدیث نے ان سے علمی فیض پایا۔ کم گو اور باعمل عالم دین تھے۔ احباب سے خصوصی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تفصیلی مضمون عنقریب الاعتصام میں شائع ہوگا۔ ان شاءاللہ

((حافظ) عبداللہ رفیق، دارالعلوم المحمدیہ
لوکوورکشاپ، مغل پورہ، لاہور)

بقیہ: کام چھوٹے انعام بڑا

راستوں میں تکلیف دے اس پر لعنت واجب ہوگئی۔ (طبرانی حسن مرویات للدکتور باسم فیصل الجواھدہ، رقم: ٤٤)

مسلمانوں کو راستے میں تکلیف دینے کی یہ بھی صورتیں ہیں مثلاً رستے میں درخت لگا دینا جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو گلی کو تنگ کر دینا اور راستے میں پانی بہانا جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو۔ اپنی سواری راستے میں کھڑی کر دینا جس سے راسہ بند ہوجائے۔ راستے میں بلغم وغیرہ پھینکنا، ناجائز تجاوزات، راستے میں گٹر بنا دینا، راستوں میں بچوں کا کھیلنا، راستوں میں بجری اینٹیں سریا کئی کئی دن تک پڑا رہنے دینا کیچڑ پھینکنا تاریں وغیرہ نزدیک رکھنا جس سے آنے جانے والوں کو تکلیف ہو، راستے میں جلسے جلوس، عرس میلا دمنانا، شادیوں میں راستہ میں دیگیں پکانا، سیاسی ومذہبی جلوس راستہ میں آوارہ لڑکوں کا بیٹھنا حتی کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

راستوں میں بیٹھنے سے بچو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگر ہمارا بیٹھنا ہماری مجبوری ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ راستے کا حق ادا کرو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

غَضُّ البَصَر وكَفُّ الاَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ. (ابوداؤد، رقم٤٨١٥)

''نظروں کو جھکا کر رکھنا کسی کو تکلیف نہ دینا (ایذا نہ دینا) سلام کا جواب دینا، اچھی بات کہنا، برائی سے منع کرنا۔''

ایک جگہ یہ بھی ذکر ہے کہ اِرْشَادُ السَّبِيل راستے کی راہنمائی کرنا۔ (ابوداؤد، رقم ٤٨١٦) ایک دوسری جگہ یہ الفاظ بھی ہیں کہ مظلوم ولاچار کی مدد کرو اور بھوکے بھٹکے کو راہ لگاؤ۔ (سنن ابی داؤد، رقم٤٨١٧)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

درودوسلام

سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی
الٹ دیتے ہیں تخت قیصریت، اوجِ دارائی

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سر فروشی کے فسانے میں

سلام اس ذات پر کہ جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالدؓ و حیدرؓ کے افسانے

درود اس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی

درود اس پر کہ جس کے تذکرے ہیں پاکبازوں میں
درود اس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں

درود اس پر جسے شمع شبستانِ ازل کہیے
درود اس پر ابد کی بزم کا جس کو کنول کہیے

درود اس پر بہارِ گلشن عالم جسے کہیے
درود اس ذات پر فخر بنی آدم جسے کہیے

رسولِ مجتبیٰ کہیے، محمد مصطفیٰ کہیے
وہ جس کو ہادئ دع ما کدر خذ ما صفا کہیے

درود اس پر کہ جو ماہر کی امیدوں کا ملجا ہے
درود اس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے

(ماہرالقادری)